ہفت روزہ

الفتح

کراچی



مگر کِس لیے ؟

۲۵ نومبر - ۲ دسمبر ۱۹۷۱ء

قیمت : ۵۰ پیسے

ہوائی ڈاک : ۷۵ پیسے

راشد مفتی

ایشیا سُرخ ہے

اُس لہو سے جو محنت کشوں کے بدن سے نچوڑا گیا
اُس لہو سے جو بنجر زمینوں کو گلشن بناتا رہا
اُس لہو سے جو سرمایہ داروں کے زرّیں محلّات میں
مدّتوں تیرہ و تار راتوں کو روشن بناتا رہا،
اُس لہو کی ہر اک بوند سے دمبدم آ رہی ہے صدا
ایشیا سُرخ ہے۔ ایشیا سُرخ ہے۔ ایشیا سُرخ ہے

وہ لہو جس کی سرخی سے شام و سحر پھولتی ہے شفق
روشنی بن کے جو پھیلتا جا رہا ہے افق تا افق
جس کو چڑھتے سمندر کی مانند بپھرا ہوا دیکھ کر
سامراجی روایات کے پاسبانوں کی رنگت ہے فق
اس لہو کی ہر اک بوند سے دمبدم آ رہی ہے صدا
ایشیا سرخ ہے۔ ایشیا سرخ ہے ایشیا سرخ ہے

ایشیا کے عوام اپنے حالات پر رو چکے ہیں بہت
بختِ خُفتہ کی مانند یہ سادہ دل سو چکے ہیں بہت
کارگراں پہ اب ہو سکے گا نہ ہرگز کوئی بھی فسوں،
زر پرستوں کی ہر چال سے باخبر ہو چکے ہیں بہت
کان دھر کر سنو ہر طرف سے یہی آ رہی ہے صدا:
ایشیا سرخ ہے ایشیا سرخ ہے۔ ایشیا سرخ ہے



گریم بک اسٹال
لرد رضا کلینک
لس بیله هاؤس - کراچی-5

اداریہ

خُون خرابے کی دھمکیاں کِس کے اشارے پر؟

ملک میں خون خرابہ کرنے کی دھمکیاں پھر دی جا رہی ہیں۔ خانہ جنگی برپا کرنے کی آوازیں پھر سنائی دے رہی ہیں یہ دھمکیاں کون دے رہا ہے؟ یہ خانہ جنگی کا نعرہ کس کا نعرہ ہے؟ یہ تمام ہنگامہ کس کے اشارے پر برپا کیا جا رہا ہے؟ یہ دھمکیاں اور نعرے ان عوام دشمن عناصر کی جانب سے بلند ہو رہے ہیں۔ جو عوام کو ان کے جائز جمہوری حقوق سے محروم کرنے کے لئے ہر دور میں سازشوں کا جال پھیلاتے رہے۔ جو ہر قیمت پر عوام کا استحصال کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ جو عوام پر اپنا اقتدار ہر حالت میں مسلّط رکھنا چاہتے ہیں۔

اس سیاسی گٹھ جوڑ میں سب سے پیش پیش جماعت اسلامی ہے۔ یہ وہ جماعت ہے۔ جس نے تحریک پاکستان کی کھلم کھلا مخالفت کی۔ جس کے سربراہ مودودی نے قرار داد پاکستان کو احمقانہ، پاکستان کو کافرستان اور قائداعظم کو کافر اعظم کہا تھا۔ قیام پاکستان کے بعد مودودی نے جہاد کشمیر کو ناجائز قرار دیا تھا۔ فوج کے جوانوں کے لئے پاکستان سے حلف وفاداری کی مخالفت کی تھی۔ جنہوں نے جمہوریت کو "غیر اسلامی" اور انتخابات کو ڈھونگ قرار دیا تھا۔ جنہوں نے عوام کو جاہل اور مولیشیوں کا ریوڑ قرار دیا تھا۔

پاکستان میں جب بھی عوامی جدوجہد ہوئی اور عوام نے اپنے حقوق کا مطالبہ کیا جماعت اسلامی اور اس قبیل کی عوام دشمن جماعتوں نے کسی نہ کسی سازش کے تحت ان کی راہ میں روڑے اٹکائے۔ ان کے خلاف جوابی تحریکیں چلائیں، گمراہ کن پروپیگنڈا پھیلایا، دہائی دی کہ اسلام خطرے میں ہے۔ یہی ہتھکنڈے ان عوام دشمن جماعتوں نے پچھلے انتخابات کے دوران اختیار کئے اور جب عوام نے انہیں مسترد کر دیا۔ انہیں ٹھکرا دیا۔ تو انہوں نے سازشوں کا جال پھیلایا۔ مشرقی پاکستان میں چھ جماعتوں کا گٹھ جوڑ کیا۔ چور دروازوں سے قومی اور صوبائی اسمبلیوں کی نشستیں حاصل کیں۔ اور لاہور میں سات جماعتوں کا گٹھ جوڑ کر کے یہ نعرہ بلند کیا کہ وزیر اعظم مشرقی پاکستان کا ہو اور وہ نور الامین ہوں۔ نور الامین جن کا ماضی موقع پرستی اور سیاسی جوڑ توڑ کی ایک سیاہ داستان ہے۔ نور الامین جو عوام دشمنوں کے لئے "ٹروجن ہارس" ہیں۔ جن کے سیاسی وجود میں دولتانہ، قیوم خان، کھوڑو، نوابزادہ نصر اللہ خان اور احتشام الحق تھانوی ایسے موقع پرست، رجعت پسند اور طالع آزما روپوش ہیں۔ تاکہ اس کمین گاہ سے عوام کو ایک بار پھر استحصال کا نشانہ بنایا جا سکے۔ نام مشرقی پاکستان کے عوام کا ہو، اقتدار پر قبضہ مغربی پاکستان کے عوام دشمنوں کا ہو۔

لیکن عوام اپنے ان دشمنوں کو پہچانتے ہیں۔ ان کے حربوں کو سمجھتے ہیں۔ ان کی سازشوں سے واقف ہیں۔ وہ ان سے نمٹنا جانتے ہیں۔ انہوں نے انتخابات میں انہیں عبرتناک شکست دی تھی۔ اور پھر ایسی ہی شکستِ عبرتناک دیں گے۔ پیپلز پارٹی اگر اقتدار چاہتی ہے۔ تو یہ اس کا جمہوری حق ہے۔ یہ وہ حق ہے جو ملک کے کروڑوں عوام نے اسے دیا ہے۔ وہ چور دروازے سے اسمبلی کے ایوان میں داخل نہیں ہوئی اس نے عوام کے حقوق کے لئے جدوجہد کی۔ ان کے سامنے اپنا نصب العین پیش کیا۔ اب وہ چاہتی ہے کہ اس نصب العین کو، اپنے پروگرام کو عملی جامہ پہنائے۔ عوام کو استحصالی قوتوں سے نجات حاصل ہو، ملک میں جمہوریت کا دور دورہ ہو۔

عوام دشمن جماعتیں خواہ سات ہوں، یا آٹھ یا دس۔ وہ بہرحال عوام دشمن جماعتیں ہیں، ان کا اتحاد، ان کا گٹھ جوڑ عوام کے خلاف ہے۔ عوامی جدوجہد و جمہوریت کے خلاف ہے۔ خون خرابے اور خانہ جنگی کا نعرہ ان عوام دشمن جماعتوں کی شکست خوردگی کی علامت ہے۔ انہیں اس سازش میں بھی منہ کی کھانی پڑے گی۔ شکست عوام دشمن قوتوں کا مقدر بن چکی ہے۔ عوام چور دروازے سے اقتدار حاصل کرنے کی ہر سازش کو ناکام بنا دینگے ان کے سارے عوام دشمن منصوبوں کو خاک میں ملا دیں گے۔

خُدا کی بستی کے مظلوم عوام کا ترجمان

ہفت روزہ
الفتح
کراچی

جلد:— ۲ شمارہ:— ۲۸

۲۵ نومبر – ۲ دسمبر ۱۹۷۱ء

نگران
شوکت صدّیقی
محمود شام

مدیر
ارشاد راؤ

معاونینِ خصوصی
ابراہیم جلیس، افضل صدّیقی، عبدالحمید چھاپرا

مجلسِ ادارت
وہاب صدّیقی - نعیم آروی

آرٹ ایڈیٹر
غلام نبی بزمی

عکاس:— الطاف رانا

بدلِ اشتراک	فی پرچہ	سالانہ	ششماہی
	۵۰ پیسے	۲۵ روپے	۱۳ روپے
ہوائی ڈاک سے	۷۵ پیسے	۳۰ روپے	۱۶ روپے

بحرین، کویت:- ۶۰ فلس دوبئی قطر: ۷۵ درم
سعودی عرب: ۱۵ قرش - انگلستان ۲ شلنگ ۶ پنس

مقامِ اشاعت
ہفت روزہ الفتح، ۸۰ ڈی، نرسری کمرشل ایریا
پی، ای، سی، ایچ، ایس کراچی-۲۹

ایڈیٹر پبلشر:- ارشاد راؤ
مطبع حقی آفسٹ پریس، لیاقت آباد۔ کراچی

تمہیں اورنگی ٹاؤن پکار رہا ہے

ساحر

سنو آواز آ رہی ہے.

سنو! اے وارثانِ محراب و منبر

سنو! اے مسند نشینانِ محسنِ انسانیت

سنو! اے اکابرینِ سیاست

سنو! اے رہنمایانِ قوم

ڈرو، اس دن سے، جس دن بڑا سخت سوال ہو گا. بڑا ہی سخت سوال۔

ایسا سوال جس کے تصور نے فاروقِ اعظم جیسے جلیل القدر عالی مرتبت وارثِ محراب و منبر کو لرزا دیا تھا. اور انہوں نے کہا کہ اگر فرات کے کنارے پر ایک کتا بھی بھوکا سو یا تو اے عمر جب تجھ سے اس کے بارے میں سوال کیا جائے گا. تو تُو کیا جواب دے گا.

یہ سوال بڑا ہی سخت سوال ہو گا. یہ سوال ہم سب پر ہو گا ہم کیوں نہیں لرزتے۔ ہم کیوں نہیں دہلتے۔ ہم کیوں نہیں تڑپتے.....

دیکھو، وارثانِ محراب و منبر

دیکھو، مسند نشینانِ محسنِ انسانیت

دیکھو، اکابرینِ سیاست

دیکھو، رہنمایانِ قوم

ان اتھاہ اندھیروں کو، ان گہری سیاہیوں کو، جو تمہاری مصنوعی روشنیوں کے پیچھے پھیلتی جا رہی ہیں، اورنگی ٹاؤن میں بے بس و بے یار و مددگار، نادار پاکستانی مرد، بچے، بوڑھے، عورتیں تمہاری راہ تک رہے ہیں. تم انہیں کیوں نہیں دیکھتے، تم ان سے آنکھیں کیوں نہیں چار کرتے، تم ان کا دکھ کیوں نہیں بٹاتے. تم ان کا درد کیوں نہیں خریدتے. تم تو بیلائے اقتدار کے پیچھے بھاگ رہے ہو، تم تو بھان متی بن گئے ہو۔

یہ بھی تو تمہارے گوشت پوست کا حصہ ہیں، کیا انہوں نے ظلمتوں کو ضیا بخشنے کے لئے پاکستان کی بنیادوں میں اپنا خون نہیں دیا تھا. کیا انہوں نے ان اجالوں کی خاطر اپنا گھر بار نہیں چھوڑا تھا، جنہیں تمہاری بے اعتنائی نے داغ داغ کر دیا اور تمہاری لاتعلقی ان کی سحر کو شب گزیدہ کر گئی.

سنو! تمہاری روشنیوں کے پیچھے اندھیرے ہیں، اپنے گھروں کی روشنیاں بھی نہیں بانٹتے۔ یہ اندھیرے کیسے مٹیں

تھکے ہارے مسافر

روشنیوں کی تلاش میں ہیں

گے، یہ فرار، یہ گریز کیوں؟

چراغ ڈھونڈو کہ یہ اندھیرے روشنی پائیں۔ اور یہ چراغ، چراغِ مساوات، یہ چراغِ مصطفوی، یہ چراغِ دردِ دل اور دکھی انسانیت کے لئے تڑپ اور خلش سے ہی جلا پائیں گے

سنو، تم اندھیروں میں بھٹک رہے ہو، تھکے ہارے مسافر روشنی کی تلاش میں ہیں. انہیں روشنی چاہیئے. وگرنہ انہیں یہ روشنی نہ ملی تو ڈر ہے کہ یہاں سماجی برائیاں پیٹ کا تندور بھرنے کے لئے جنم لینا شروع کر دیں۔

تمہیں اورنگی ٹاؤن پکار رہا ہے

اورنگی جو روشنیوں کے شہر کا تاریک ترین حصہ ہے

اورنگی جو پاکستان ہے، ناموسِ وطن ہے غیرتِ قوم ہے۔

اورنگی جہاں محسنِ انسانیت ضعیفوں کے ملجا، غریبوں کے ماوا کے نام لیوا تمہارے پھیلائے ہوئے اندھیروں کو اپنے سوزِ یقین سے روشن کریں گے

سنو اے وارثانِ محراب و منبر

سنو، اے مسند نشینانِ محسنِ انسانیت

سنو اے اکابرینِ سیاست

سنو، اے رہنمایانِ قوم

اورنگی کی جانب بڑھو۔ تمام تاریکیاں دور کرنے کا عزم کر لو۔ اسی میں تمہاری نجات ہے اسی میں پاکستان کی حیات ہے۔

یہی پاکستان ہے۔

پاکستان، روشن پاکستان

پاکستان روشنیوں کا پاکستان

پاکستان غریبوں کا پاکستان

پاکستان جانثاروں کا پاکستان

پاکستان جانبازوں کا پاکستان

سنو! تم خوابِ غفلت سے بیدار نہ ہوئے تو ہمیشہ حسرت سے ہاتھ ملتے رہو گے اور یہ حسرت شاید تمہارا مقدر بن چکی ہے وگرنہ تمہیں اورنگی نہ پکارتا۔

میرپور خاص میں



پیپلز نیوز ایجنسی

ایم اے جناح روڈ سے طلب کریں

الفتح کراچی

بھارت نے سمندر میں بارودی سرنگیں بچھا دی ہیں

جنگ کا وقت آگیا ہے

محمود شام

جنگ اب ناگزیر ہو گئی ہے۔

اب جنگ برصغیر اور مشرقِ وسطیٰ میں بیک وقت چھڑے گی۔

ادھر صدر سادات نے اپنی فضائی اور بری افواج سے کہہ دیا ہے کہ پرامن تصفیے کی امید ختم ہو چکی ہے۔ اور جنگ کا وقت آگیا ہے۔

ادھر بھارت نے دو دو بریگیڈوں اور ٹینکوں سے مشرقی پاکستان کی سرحد پہ حملے شروع کر دیئے ہیں

بھارت کے جنگ باز جنرل اور توسیع پسند سول حکام نام نہاد "بنگلہ دیش" کو باقاعدہ تسلیم کرنے کے سلسلے میں سوچ رہے ہیں

پاکستان پہلے ہی کہہ چکا ہے کہ بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے کا مطلب اعلانِ جنگ ہو گا۔

بھارت نے کچھ عرصہ پہلے مشرقی اور مغربی پاکستان کا سمندر کے راستے رابطہ منقطع کرنے کی دھمکی دی تھی اس سلسلے میں مجھے اس ہفتے بعض خصوصی ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ بھارت چاٹگانگ کی بندرگاہ کے آس پاس سمندر میں بارودی سرنگیں بچھا رہا ہے تاکہ مغربی پاکستان سے جانے والے بحری جہاز مشرقی پاکستان تک نہ پہنچ سکیں۔ یہ صورتِ حال انتہائی سنگین ہے اس لئے پاکستان کو سرنگیں صاف کرنے والے جہاز بھیجنے پڑیں گے اور ان جہازوں کی حفاظت کے لئے تباہ کن جہاز بھی جائیں گے راستے میں بھارت مداخلت ضرور کرے گا۔ اس طرح بھی کسی بڑی جھڑپ کا امکان ہو سکتا ہے

گذشتہ دنوں سے چین کے بارے میں کہا جا رہا ہے تھا کہ اس نے اقوام متحدہ میں پاکستان کے مسئلے پر کوئی بیان نہیں دیا لیکن اس ہفتے اقوام متحدہ کی کمیٹی میں چینی نمائندے نے انتہائی واضح انداز میں کہہ دیا کہ بھارت مشرقی پاکستان میں اسی طرح مداخلت کر رہا ہے جس طرح اس نے ہمارے ایک علاقے تبت کے معاملے میں مداخلت کی تھی، بعد میں اسی طرح بے گھروں کا مسئلہ کھڑا کر دیا تھا۔ اگر بھارت مداخلت بند کر دے تو یہ مسئلہ طے ہو سکتا ہے۔ اس سے پاکستان کے لئے چین کی واضح حمایت سامنے آگئی ہے اور حال ہی میں جس وفد نے چین کا دورہ کیا تھا، اس کی کامیابی کا ثبوت بھی مل گیا۔

بھارت روس سے ایک فوجی معاہدے میں منسلک ہے اور اسی کی شہ پر وہ برصغیر کے غریب عوام کے لئے مصیبتیں اور پریشانیاں پھیلا رہا ہے لیکن روس کی اس سے زیادہ بڑی وابستگی مشرق وسطیٰ کے مسئلے سے ہے وہاں اس کا سیاسی اور سفارتی وقار داؤ پر لگا ہوا ہے مشرق وسطیٰ میں جنگ کے شعلے بھڑکتے ہی روس کو وہاں مصروف ہو جانا پڑے گا اور اس کے لئے بھارت پاکستان جنگ میں پہنچنا مشکل ہو گا۔ اس طرح اس جنگ سے حقیقی مسئلہ روس کے لئے پیدا ہو گا کہ وہ اپنا سیاسی وقار کہاں محفوظ رکھے چین کے لئے مشرق وسطیٰ میں کوئی ذمہ داری نہیں ہے جب کہ تیسری طاقت امریکہ کی ذمہ داری صرف مشرق وسطیٰ میں ہے وہ برصغیر کی جنگ میں غیر جانبدار رہ سکتا ہے، کیونکہ چین سے اس کے ابھی تعلقات استوار ہو رہے ہیں، دوسرے امریکہ پاکستان کے ساتھ کئی فوجی معاہدوں میں منسلک ہے اگرچہ ان پر عملدرآمد کبھی نہیں ہوا ہے پہلے اس کی وجہ یہ بتائی گئی تھی کہ کسی کمیونسٹ ملک کی طرف سے جارحیت کی صورت میں سیٹو اور سنٹو کے ارکان پاکستان کی مدد کریں گے۔ اس لئے بھارت کی جارحیت کے وقت ان ممالک نے ساتھ نہیں دیا تھا۔ اب بھارت کو چونکہ کمیونسٹ روس کی فوجی حمایت باقاعدہ معاہدے کی صورت میں حاصل ہے۔ اس لئے سیٹو سنٹو کے رکن ممالک کو اصولاً پاکستان کی مدد کرنا چاہیئے اس طرح برصغیر کی جنگ امریکہ کے لئے ایک بڑی آزمائش ہو گی۔ امریکہ کے بعض حلقے یہ بات کہہ رہے ہیں کہ امریکہ کی طرف سے پاکستان کا ساتھ دینے کا زیادہ امکان ہے۔

مشرق وسطیٰ کی جنگ پاکستان کے حق میں اس صورت میں جا سکتی ہے کہ روس اس جنگ میں زیادہ الجھ جائے گا۔ دوسری مغربی طاقتوں کے لئے بھی بڑا مسئلہ وہی ہو گا۔ اس لئے پاکستان اپنے سے پانچ گنا بڑے دشمن سے اپنی جرأت اور صلاحیت کی بنا پر لڑ سکے گا اور اس کے پیچھے چین جیسی عالمی طاقت موجود ہو گی

یہ تو بین الاقوامی صورت حال میں برصغیر کا ایک جائزہ ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ ہمیں یہ بھی دیکھنا ہے کہ اندرونی طور پر ہم جنگ کے لئے کس قدر تیار ہیں اس وقت دائیں بازو کی جماعتوں کا کردار انتہائی مشکوک ہے۔ اور وہ حسب معمول ففتھ کالم کا رول ادا کر رہی ہیں انتخابات کے بعد سے لے کر اب تک انہوں نے جو کردار ادا کیا، وہ سب کے سامنے ہے۔ پاکستان کے عوام کی اکثریت انہیں قطعی طور پر مسترد کر چکی ہے اب وہ سرکاری بیساکھیوں کے سہارے مشرقی پاکستان میں پچاس ساٹھ سیٹیں حاصل کر کے دندناتے پھر رہے ہیں۔ انہیں اس چور دروازے سے قومی اسمبلی میں

تعزیت

اورینٹ ایڈورٹائزنگ لمیٹڈ کے مینجنگ ڈائریکٹر مسٹر ہاشمی کی والدہ محترمہ پچھلے ہفتے رحلت فرما گئیں۔ ادارہ الفتح اس غم میں جناب ہاشمی اور اُن کے خاندان کے ساتھ برابر کا شریک ہے اور مرحومہ کی مظلوم عوام کے لیے خدمات کو خراجِ عقیدت پیش کرتا ہے۔

جماعتِ اسلامی بھارت کی بجائے عوام سے لڑنے کی تیاریوں میں مصروف ہے

پہنچنے پر کوئی شرم نہیں آتی ہے۔ انتخابات کے لئے وہ عوام کا سامنا نہیں کر سکے کل عوام کا سامنا کیسے کریں گے۔ یہ بیساکھیاں انہیں ہمیشہ حاصل نہیں ہوں گی۔ عوام کا حق غصب کرکے وہ اپنے آپ کو ان کے اوپر مسلط کرنا چاہتے ہیں۔ مشرقی پاکستان میں جگہ جگہ جماعت اسلامی نے لاٹھیاں چاقو اور ہتھیار جمع کرنے شروع کر دیئے ہیں اور تربیت دی جا رہی ہے کراچی میں لیاقت آباد ملیر، شہید ملت روڈ اور ناظم آباد میں ہمیں کئی ایسے مکانوں کا بھی علم ہو چکا ہے۔ جہاں یہ تربیت دی جا رہی ہے اور منصوبے بنائے جا رہے ہیں انتخابات سے پہلے بھی یہ تیاریاں کی گئی تھیں، مگر انتخابات میں شکست کھانے کے باعث ان کے منصوبوں پر پانی پھر گیا اب دوبارہ یہی خوفناک منصوبے بن رہے ہیں جماعت اسلامی کی اس انتقامی کارروائی کا شکار سب سے پہلے بائیں بازو کے محب وطن ہوں گے۔ اس کے بعد دوسری سیاسی پارٹیاں بھی محفوظ نہ رہیں گی۔ آج اس بھان متی کے کنبے میں جو سیاسی جماعتیں شامل ہوئی ہیں کل یہی جماعت اسلامی کی سازشوں کا شکار ہوں گی۔ جماعت اسلامی کی سازش کا اندازہ یہیں سے کیا جا سکتا ہے کہ مشرقی پاکستانی امیر پروفیسر غلام اعظم کہتے ہیں کہ مجیب الرحمان قصوروار نہیں ہے اس نے کبھی آزادی کا اعلان نہیں کیا، اور ادھر مغربی پاکستانی امیر میاں طفیل اپنی جماعت کے کارکنوں پر زور دیتے ہوئے کہا کہ وہ ملک کو بچانے کے لئے اپنی، اپنے اہل خاندان اور بچوں تک کی قربانی دینے کے لئے تیار رہیں۔ ہمیں تمام سازشوں کو چاہے وہ شیخ مجیب کی ہوں یا مسٹر بھٹو کی یا حکومت کی جڑوں سے "اکھاڑنا" ہوگا۔ (جسارت ۲۲ نومبر) شیخ مجیب کی کونسی سازش تھی۔ کیونکہ پروفیسر غلام اعظم تو ۲۵ مارچ تک مجیب کے لئے اقتدار کا مطالبہ کرتے رہے اور اب بھی وہ اس کو بے گناہ قرار دیتے ہیں مجیب کا مقابلہ کسی نے کیا۔ مجیب سے تو جماعت اسلامی کی گٹھ جوڑ بائیں بازو کے کارکنوں کو ہلاک کرنے پر ہو چکی تھی۔ ان رضاکاروں میں سے باوثوق ذرائع کے مطابق جماعت اسلامی کے بہت سے رضاکارون میں رضاکار... کو کتنی باہمتی کا کردار ادا کرتے ہیں وہ ملک کو مسلسل بحران میں رکھنا چاہتے ہیں۔

میں بروقت انتباہ کرنا چاہتا ہوں کہ جماعت کا یہ سوچا سمجھا منصوبہ ہے کہ۔ جب سرحدوں پر پاکستانی فوج بھارتی فوج کے توسیع پسندوں کو دندان شکن جواب دے رہی ہو اور عوام دوسری دفاعی لائن بنے ہوں اس وقت جماعت اپنے سیاسی مخالفین کو ہلاک کرنے کا آغاز کر دے گی۔ اس کی تیاریاں شروع ہو چکی ہیں۔ جماعت نے اب تک پاکستان کو تسلیم نہیں کیا پاکستان کی تحریک کی اس نے مخالفت کی، کشمیر کے جہاد کو انہوں نے ناجائز قرار دیا ۱۹۶۵ء کی جنگ میں عوام میں سب سے موثر کردار بائیں بازو نے ادا کیا تھا۔ وزیر خارجہ کی حیثیت سے بھٹو کی کارکردگی سامنے ہے تمام ممالک میں سے چین ہماری مدد کو آیا۔ اندرون ملک بائیں بازو کے شعرا نے قوم کو ولولہ انگیز نغمے دیئے رئیس امروہوی، قتیل شفائی حبیب جالب، صفدر میر، شہزاد احمد جون ایلیا صوفی تبسم سب سے پیش پیش تھے۔ جماعت اسلامی کے سقراط کرام نے کونسی قابل ذکر نظم لکھی جماعت اسلامی کے اخبارات اب بھی اپنے سیاسی مخالفین کے خلاف عوام کے جذبات کو جتنا ابھار رہے ہیں آتنا بھارت کے خلاف جذبات کو تیز نہیں کر رہے ہیں۔ جن لوگوں نے تحریک پاکستان کی مخالفت کی۔ وہ اب پاکستان کو بچانے کا دعویٰ کر رہے ہیں۔ مودودی، شورش کاشمیری، نوابزادہ نصراللہ کا تحریک پاکستان سے کیا تعلق ہے نورالامین بھی مشرقی پاکستان کے عوام سے اپنی ۱۹۵۳ء کی شکست کا انتقام لینے کے لئے اس ٹولے سے مل گئے ہیں ان کا مشترکہ درد صرف ایک ہے کہ بھٹو برسر اقتدار نہ آئے، پہلے اسی لئے انہوں نے مجیب کے در پر جبہ سائی کی تھی۔ مجیب جیسے عوام کا اعتماد حاصل تھا۔ اس کے باوجود سازشوں کا شکار ہو گیا بھٹو سے خالف ہونے کی وجہ صرف یہ ہے کہ اس نے مصلحت اور منافقت کے نعروں کی بجائے عوام کے حقیقی مسائل کے نعرے بلند کئے ہیں۔ عوام اس کے گرد جمع ہو گئے ہیں۔ اب یہ لوگ عوام کی قوت سے خوفزدہ ہیں کہ کہیں عوام اپنے ۲۳ برس کا حساب نہ چکائیں، کل جس پارٹی یعنی کنونشن لیگ کے خلاف متحدہ حزب مخالف بنا رہے تھے آج اسی کے ساتھ متحدہ محاذ بنا رہے ہیں مسئلہ صرف عوام کی مخالفت ہے کسی منشور یا اصول کی بات نہیں ہے۔ ان جماعتوں کا مشترکہ مقصد رائے عامہ کو دبانے کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

ہمیں معلوم ہے کہ ان جماعتوں کو متحد کرنے میں کس خفیہ ہاتھ نے سرگرمی دکھائی اور انہی ہاتھوں کے طفیل ہمیں مشرقی پاکستان میں یہ دن دیکھنے پڑ رہے ہیں کہ وہاں پاکستانیوں کے ہاتھوں پاکستانیوں کے ہلاک ہونے کی سیاہ روایت ختم ہونے میں ہی نہیں آ رہی ہے۔ اس طرح کی مصنوعی اکثریتیں بنا کر یہ لوگ اپنے گرد عوام کا گھیرا اور تنگ کر رہے ہیں۔ اپنی یہ سازشیں وہ ملک کی سلامتی کی قیمت پر بھی جاری رکھے ہوئے ہیں، عوام اپنے ملک کو اس طرح تباہ تو ہونے دیں گے

آئندہ شمارے میں

ریڈیو پاکستان پشاور

پردہ چاک

۲۲ سال - ۲۲ خاندان - حسین گروپ - تفصیلات بھی

چین نے ۱۹۴۹ء میں پاکستان کو معاشی بحران سے بچا لیا تھا

وہاب صدیقی

▪ پاکستان کے عوام ہی مشرقی پاکستان کا معقول حل تلاش کریں۔

▪ بھارت پاکستان کے داخلی معاملات میں مداخلت کر رہا ہے۔

▪ بھارت اور پاکستان جنگ نہیں، آپس میں بات کریں۔

▪ بیرونی جارحیت کے خلاف چین پاکستان کا ساتھ دے گا۔

(عوامی جمہوریہ چین کے قائمقام وزیر خارجہ کامریڈ چی پنگ فی کی تقریر مورخہ ۸ر نومبر کے چند اقتباسات)

▪ روس کی فضائیہ نے اچانک بھارت کو بھاری تعداد میں اسلحہ فراہم کرنا شروع کر دیا ہے۔ جس میں میزائل اور دوسرا فوجی سامان شامل ہے گذشتہ چار روز کے اندر ۱۲ روسی میگ اور ۱۲ ٹرانسپورٹ طیارے فوجی ساز و سامان لے کر بمبئی اور دہلی میں اترے ہیں۔ "ٹائمز" نے آج دہلی سے خبر دی ہے کہ غالباً یہ روسی طیارے زمین سے فضا میں مار کرنے والے جدید ترین میزائل لے کر بھارت پہنچے ہیں۔ روسی فوجی انسٹرکٹروں کی ایک بڑی تعداد بھی بذریعہ طیارہ بھارت پہنچ چکی ہے۔ ایک روسی بحری جہاز میزائلوں اور دوسرے فوجی ساز و سامان کی ایک کھیپ لے کر پہلے ہی بھارت کی جانب روانہ ہو چکا ہے (روزنامہ جنگ مورخہ ۸ر نومبر ۱۹۷۱ء)

▪ فرانس، بھارت کو میراج جیٹ طیارے فراہم کرے گا۔ (یونائیٹڈ نیوز آف انڈیا۔ مورخہ ۹ر نومبر ۱۹۷۱ء)

▪ پاکستان کے ساتھ چین اور بھارت کے ساتھ روس کے قریبی تعلقات کے بعد امریکہ نے برصغیر میں غیر جانبداری کی پالیسی اختیار کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ پاکستان کو مزید اسلحہ کی فراہمی پر پابندی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے (امریکی وزارت خارجہ مورخہ ۱۱ر نومبر ۱۹۷۱ء)

▪ برطانیہ نے کئی برسوں سے پاکستان کو ٹینک، طیارے اور توپیں سپلائی نہیں کیں۔ بھارت پر اسلحہ کی فروخت پر کوئی پابندی نہیں ہے (برطانیہ کا دفتر خارجہ مورخہ ۱۱ر نومبر ۱۹۷۱ء)

▪ پاکستان کو فوجی امداد بند کرنے کے فیصلے کی وجہ یہ ہے کہ اس سے کانگریس کے بعض ارکان اور بھارتیوں کے ذہنوں میں شبہات پیدا ہو گئے تھے (راجرز مورخہ ۱۳ر نومبر ۱۹۷۱ء)

▪ باوثوق ذرائع کے مطابق عوامی جمہوریہ چین نے پاکستان کو بھاری اسلحہ، الٹرا کا بمبار طیاروں، زمین سے فضا میں مار کرنے والے میزائلوں اور ٹینکوں کی سپلائی شروع کر دی ہے۔ ان ذرائع کے مطابق چینی اسلحہ کی پہلی کھیپ ایک بحری جہاز کے ذریعے پاکستان پہنچ چکی ہے اور دوسری کھیپ گاڑیوں کے ذریعے شاہراہ قراقرم کے راستے عنقریب پہنچ جائے گی۔ اسلحہ کی پہلی کھیپ میں مگ ۱۹ قسم کے طیارے اور میزائل شامل ہیں۔

"دوست وہ ہے جو آڑے وقت میں کام آئے"۔ آپ نے اکثر یہ محاورہ سنا ہو گا۔ اس کی صداقت اور سچائی پر یقین بھی ہو گا۔ اس محاورے کی بنیاد پر اگر مندرجہ بالا خبروں کو جانچا جائے تو بلاشبہ صرف اور صرف عوامی جمہوریہ چین ہی پاکستان کا مخلص اور سچا دوست قرار پاتا ہے، اس کٹھن مرحلے پر چین کی حمایت، سچی دوستی اور مخلصانہ تعلقات کی روشن مثال ہے جسے پاکستان کے عوام کبھی فراموش نہیں کر سکتے۔

چین سے دوستی کی ابتداء

ستمبر ۱۹۴۹ء میں برطانیہ نے سٹرلنگ کی قیمت میں کمی کی تو بھارت نے بھی اپنے روپے کی قیمت میں کمی کر دی، پاکستان کی معاشی حالت نسبتاً بہتر تھی۔ اس نے اپنے سکّہ کی قیمت نہیں گرائی، برطانیہ اور بھارت نے سکّے کی قیمت گرانے کے لئے پاکستان پر دباؤ ڈالا۔ اس وقت پاکستان کی سب سے زیادہ برآمدات بھارت کو ہوتی تھیں۔ پاکستان پٹ سن اور کپاس برآمد کرتا تھا۔ اور بھارت سے کوئلہ، خوردنی تیل، سوتی کپڑا درآمد کرتا تھا جب پاکستانی حکومت نے اپنے سکّے کی قیمت کم کرنے سے انکار کر دیا تو بھارت نے پاکستان سے تجارت بند کر دی، اس اقدام سے پاکستان اپنی بڑی منڈی سے محروم ہو گیا، اس مرحلے پر چین نے پاکستان کو جنس کے بارے میں جنس مہیا کرنے کی پیش کش کر کے پاکستان کو معاشی بحران سے بچایا اور پاکستان کو کوئلہ اور دیگر مصنوعات برآمد کیں اس مخلصانہ پیش کش سے ہی پاک چین دوستی کی ابتدا ہوتی ہے

پاکستان کے مغربی اتحادیوں کے بارے میں چین کا رویّہ

جب سرمایہ داروں، جاگیرداروں، نوکر شاہی کے نمائندے حکمرانوں نے پاکستانی عوام کو سامراجی دفاعی معاہدوں سیٹو اور سنٹو میں جکڑا اور پورے ملک کو امریکہ کی گود میں ڈال دیا۔ تو اس وقت اشتراکی ممالک نے پاکستان کے خلاف سخت رویہ اختیار کیا۔ صرف چین ہی وہ واحد اشتراکی ملک تھا جس نے پاکستان سے اپنے تعلقات خوشگوار رکھے اور سامراجی دفاعی معاہدوں سے علیحدگی اختیار کرنے کے لئے پاکستان پر دباؤ نہیں ڈالا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ یہ معاہدے صرف کاغذی ہیں۔ اپریل ۱۹۵۵ء میں بنڈونگ کانفرنس ہوئی۔ نہرو نے پنج شیلا پروگرام پیش کیا تو پاکستان نے اس میں مزید پانچ نکات کا اضافہ کیا۔ ان نکات کی حمایت صرف چین کے وزیر اعظم مسٹر چو این لائی ہی نے کی؛ اس کانفرنس میں تقریر کرتے ہوئے چینی وزیر اعظم نے کہا، "پاکستان کے وزیر اعظم نے یقین دلایا ہے کہ اگر دفاعی معاہدے کے تحت امریکہ نے جارحانہ جنگ شروع کی۔ یا عالمی جنگ کی ابتدا کی تو پاکستان اس جنگ میں شامل نہیں ہو گا۔ جیسا کہ وہ کوریا کی جنگ میں شامل نہیں ہوا تھا"۔

مسئلہ کشمیر پر چین کا موقف

مارکسزم اور لینن ازم ہر قومیت کے حق خود اختیاری کو تسلیم کرتا ہے اور حق خود اختیاری کی جدوجہد کی حمایت کرتا ہے۔ لیکن سوویت یونین کے ترمیم پسند حکمرانوں نے مارکسزم اور لینن ازم سے انحراف کرتے ہوئے کشمیری عوام کی تحریک حق خود اختیاری کی حمایت نہیں کی۔ بھارت کا دورہ کرتے ہوئے روس کے وزیر اعظم مارشل بلگانن نے کشمیر کو بھارت کا اٹوٹ انگ قرار دیا۔ اس کے برخلاف جب ۱۹۵۶ء میں چینی وزیر اعظم نے بھارت کا دورہ کیا تو انہوں نے کشمیری عوام کی حق خود اختیاری کی حمایت کرتے ہوئے گفت و شنید کے ذریعے مسئلہ کو حل کرنے پر زور دیا۔ مسٹر چو این لائی نے جب سیلون کا دورہ

بھارت نے صرف چین کے خوف سے مشرقی پاکستان پر حملہ نہیں کیا

کیا تو مشترکہ اعلامیہ میں انہوں نے کشمیر کے مسئلہ کو پرامن اور گفت و شنید کے ذریعے حل کرنے کی ہدایت کی۔ اس کے بعد جب چینی اور بھارتی سرحدوں کا تعین کرنے کے لئے ۱۹۶۰ء میں نئی دہلی میں چینی اور بھارتی نمائندوں کا ایک اجلاس ہوا اس اجلاس کے ایجنڈا میں بھارتی نمائندوں نے سنکیانگ اور کشمیر کا سرحدی علاقہ بھی شامل کیا۔ اس پر چینی نمائندوں نے یہ موقف اختیار کیا کہ یہ علاقہ متنازعہ ہے۔ کشمیر کا مسئلہ ابھی حل نہیں ہوا۔ اس لئے اس شق کو ایجنڈا سے خارج کیا جائے، بھارتی نمائندوں کو آخر کار اس موقف سے اتفاق کرنا پڑا اس کے بعد متعدد بار چینی حکومت نے مسئلہ کشمیر کو کشمیری عوام کی خواہشات کے مطابق حل کرنے پر زور دیا۔

سرحدی معاہدہ

مارچ ۱۹۶۱ء میں حکومت پاکستان نے سنکیانگ اور اس سے ملحقہ علاقوں کی سرحد متعین کرنے کے لئے ایک مراسلہ بھیجا۔ چار ماہ کی گفت و شنید کے بعد ایک معاہدے پر دستخط ہو گئے، جس کے ذریعہ پاکستان کو ۷۵۰ مربع میل کا علاقہ مل گیا، چین نے یہ علاقے اس لئے پاکستان کو دے دیا کہ وہ پاکستان کے موقف سے اتفاق کرتا اور اس کے دعویٰ کو جائز سمجھتا تھا۔ اس معاہدے میں یہ بھی قرار پایا کہ مسئلہ کشمیر ابھی حل طلب ہے جب بھارت اور پاکستان کے درمیان یہ تنازعہ طے ہو جائے گا۔ تو سرحدوں کے تعین کے لئے دوبارہ گفتگو ہو گی۔

معاشی تعلقات

ابتداء میں پاکستان نے چین سے جنس کے بدلے جنس کی تجارت کی، چین کو پٹ سن اور کپاس برآمد کیا۔ اور اس کے بدلے میں کوئلہ اور دیگر مصنوعات درآمد کیں، ۱۹۵۲ء میں پاکستان نے ۸ کروڑ ۳۸ لاکھ روپے کی مالیت کی اشیاء برآمد کیں جو تمام برآمد کا ۵۶ء۱ فیصد تھی، بعد کے برسوں میں اگرچہ برآمد گھٹ گئیں لیکن توازن ادائیگی ہمیشہ پاکستان کے حق میں رہا ۱۹۶۳ء میں چین اور پاکستان کے درمیان ایک تجارتی معاہدہ ہوا جس کے تحت چین نے فولاد کی اشیاء کوئلہ، سیمنٹ مشینری، کیمیکل اور دیگر مصنوعات پاکستان کو برآمد کیں۔ اس کے بدلے میں پٹ سن، کپاس، سوتی پارچہ جات، کھیلوں کا سامان، چمڑا اور کھالیں حاصل کیں، اور پاکستان کو ساٹھ ملین ڈالر کا بلاسود قرضہ دیا جو ۲۰ سال میں ادا کیا جائے گا۔

اس کے علاوہ ۱۹۶۶ء میں مشرقی پاکستان کے سیلاب سے متاثرہ عوام کے لئے ایک لاکھ ٹن چاول دیئے۔

۱۹۶۳ء کے ماہ اگست میں دونوں ممالک کے درمیان براہ راست ہوائی پرواز کا معاہدہ ہوا اور ۲۹ اپریل ۱۹۶۴ء سے ہوائی پرواز شروع ہوئی۔

ثقافتی تعلقات

پاکستان اور چین کے ثقافتی تعلقات نہایت خوشگوار ہیں۔ ماہرین تعلیم، سائنسدانوں، مفکرین اور فنی ماہرین کے متعدد وفود نے دورے کئے۔ اور ایک دوسرے کے مسائل کا جائزہ لیا۔ اب تک پاکستان کے ۲۷ وفود چین کا دورہ کر چکے ہیں اور ۱۴ چینی وفود پاکستان آئے۔

جنگ ۱۹۶۵ء اور چین

جب بھارتی توسیع پسند حکمرانوں نے پاکستان پر جارحانہ حملہ کیا۔ تو دفاعی معاہدوں کے باوجود پاکستان کے مغربی دوستوں نے ساتھ نہیں دیا۔ امریکی سامراج نے فوراً امداد بند کر دی۔ اس دشوار اور مشکل مرحلے پر صرف دو ممالک عوامی جمہوریہ چین اور انڈونیشیا نے پاکستان کا کھل کر بھرپور ساتھ دیا۔ حالانکہ ان دونوں ممالک سے پاکستان کا کوئی دفاعی معاہدہ نہیں تھا۔ چین نے اس جنگ کی ذمہ داری امریکی سامراج پر عائد کی۔ اور وزیراعظم چواین لائی نے ۹ ستمبر کو کہا کہ "بھارتی حکومت کی فوجی مہم جوئی میں روس اور امریکہ نے بھی مدد کی ہے۔ بھارتی رجعت پسند امریکی حمایت اور منظوری کے بغیر پاکستان کے خلاف ایک خطرناک جنگ کا آغاز نہیں کر سکتے تھے"

امریکی سی آئی اے نے بھارتی حکومت کو مشرقی پاکستان پر حملہ کرنے کا مشورہ دیا۔ اس مقصد کے لئے ایک سی آئی اے ایجنٹ خاص طور پر کلکتہ بھیجا گیا۔ تاکہ وہ مشرقی پاکستان پر حملہ کرنے کے لئے رائے عامہ ہموار کرے، یہ انکشاف نومبر ۱۹۶۵ء میں ایک بھارتی ہفت روزہ "لنک" نے "سی آئی اے کی حکمت عملی" کے عنوان کے تحت ایک مضمون میں کیا وہ لکھتا ہے "سی آئی اے نے مشرقی پاکستان میں بھارتی حکومت کو حملہ کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ اس مقصد کے لئے بھارت میں راہ ہموار کرنے کی کوشش بھی کی تھی" سی آئی اے" کا ایک افسر کلکتہ آیا اور اس نے پروپیگنڈا شروع کیا کہ بھارت کو مشرقی پاکستان پر حملہ کر دینا چاہیئے۔ اس نے دوسرا محاذ کھولنے کے فوجی فوائد کی بھی اچھی طرح وضاحت کی تھی۔ کلکتہ میں وارد ہوتے ہی وہ ایک بہت مصروف میزبان بن گیا۔ اس نے ڈنر اور شراب کی کئی دعوتیں دیں جس میں اخباروں کے مالکان، اعلیٰ حکام اور دوسری اہم شخصیتوں کی انتہائی خاطر مدارت کی جاتی۔ ان دعوتوں کو مشرقی پاکستان پر بھارتی حملے کے لئے راہ ہموار کرنے کے لئے استعمال کیا گیا۔"

بھارت خود بھی مشرقی پاکستان پر حملہ کرنا چاہتا تھا۔

لیکن ۸ ستمبر ۱۹۶۵ء کو چین بھارت پر چینی سرحدوں پر جارحانہ کارروائیاں کرنے کا الزام لگاتے ہوئے اُسے اپنی فوجیں ہٹانے کے لئے کہا اور اسی کے ساتھ ہی اپنی فوجیں سرحد پر جمع کر دیں جس کی وجہ سے بھارت کو اپنی فوج کی بھاری تعداد سکم کی سرحد پر لگانی پڑی، چین کے اس اقدامات کا مقصد بھارت کو مشرقی پاکستان پر حملہ کرنے سے باز رکھنا تھا، چنانچہ ٹائمز کے نامہ نگار مقیم دہلی نے چینی وارننگ پر یہ تبصرہ کیا تھا "چین کی فوجیں صرف ایسی صورت میں میدان جنگ میں آسکتی ہیں جب بھارت مشرقی پاکستان پر حملہ کرے" اور نومبر ۱۹۶۵ء میں خود بھارتی ہفت روزہ لنک نے اعتراف کیا کہ "بھارت نے چین کے خوف کی وجہ سے مشرقی پاکستان پر حملہ نہیں کیا۔"

جب پاکستانی عوام کی خواہشات کے برعکس ایوب خان نے اعلان تاشقند پر دستخط کر دیئے تو چین نے پاکستانی عوام کی نمائندگی کا حق ادا کرتے ہوئے کہا: "تاشقند کے مذاکرات سوویت حکمرانوں کی دعوت پر کئے گئے۔ یہ مذاکرات امریکی اور روسی گٹھ جوڑ کا نتیجہ تھے، کیونکہ جب ماسکو نے اس کانفرنس کی پیش کش کی تو واشنگٹن نے فوراً اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔ اسی طرح جیسے ہی اعلان تاشقند پر دستخط ہوئے تو جانسن لوٹلے نے اس اعلان کا خیر مقدم اور تائید کرنے میں دیر نہیں لگائی اور ہمفرے نے ٹی وی پر کہا۔ "ان مذاکرات کی کامیابی پر ہماری حکومت کوسیجن کو مبارکباد پیش کرتی ہے۔"

(پیکنگ ریویو۔ ۴ فروری ۱۹۶۶ء)

عوامی جمہوریہ چین کی اس سچی دوستی اور مخلصانہ تعلقات کا پاکستان کے حکمران طبقے اور رجعت پسند سیاسی جماعتوں نے کیا صلہ دیا۔ یاد ش بخیر ایوب خان "شمال سے خطرہ محسوس کر رہے تھے اس لئے انہوں نے بھارتی حکومت کو عوامی جمہوریہ چین کے خلاف مشترکہ دفاع کی پیش کش کی، یہ اور بات ہے کہ پنڈت نہرو نے اس پیش کش کو قبول نہیں کیا، رجعت پسند سیاسی جماعتوں نے بھی چین کے خلاف زہر اُگلا خصوصاً عام انتخابات کی مہم میں چینی عوام کے عظیم رہنما اور استاد چیئرمین ماوزے تنگ کو بھی ہدف تنقید بنایا۔ اُن کی تصویریں اور اقوال کی کتابیں نذر آتش کی گئیں۔ اس مہم میں جماعت اسلامی پیش پیش تھی، چیئرمین ماؤ کے

جماعتِ اسلامی کے ترجمان اب بھی چین کے خلاف زہر اُگل رہے ہیں

خلاف اس قدر نفرت پھیلائی گئی کہ چینی سفارت خانے کو یہ احتجاج کرنا پڑا۔

"اسلام آباد ۵ فروری۔ پاکستان کے بعض سیاست والوں نے عوامی جمہوریہ چین اور اس کے لیڈروں کے خلاف جو نکتہ چینی کی ہے۔ اس کے بارے میں چین کے سفارت خانے نے حکومت پاکستان سے شکایت کی ہے کہ انہوں نے لقائے باہمی کے پنچ شیلا اصولوں کی سختی سے پابندی کی ہے اور کبھی پاکستان کے داخلی معاملات پر تبصرہ نہیں کیا۔ اس لئے ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ پاکستان کے سیاست دان چین اور اس کے لیڈروں پر کیوں نکتہ چینی کر رہے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ پاکستانی سیاست والوں نے بعض بڑی طاقتوں پر نکتہ چینی کی ہے۔ لیکن دوسری طاقتیں مبینہ طور پر پاکستان کے اندرونی معاملات میں خاصی دلچسپی لیتی ہیں۔ چین نے ہمیشہ پاکستان کے اندرونی معاملات پر تبصرہ کرنے سے گریز کیا ہے۔ چین کے لئے یہ بات خاص طور پر قابل اعتراض ہے کہ بعض سیاست والوں نے چیئرمین ماؤزے تنگ کے بارے میں بھی نازیبا باتیں کہی ہیں، جو ہمارے لئے ایسے ہی محترم ہیں جیسے پاکستانیوں کے لئے قائد اعظم"۔

چاہیئے تو یہ تھا۔ کہ جماعت اسلامی جو چین دشمنی میں پیش پیش تھی اس احتجاج پر ندامت محسوس کرتی۔ پاکستان کے عظیم دوست سے معذرت کرتی، لیکن اس کے ترجمان ہفت روزہ زندگی نے نہایت بے شرمی سے لکھا۔

"چینی سفارت خانے کی اس شکایت کے بعد یہاں بعض حلقے اس خیال کا اظہار بھی کر رہے ہیں کہ چین کو ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ کے بعد پاکستانی عوام کی جو ہمہ گیر ہمدردی اور دوستی حاصل ہوئی تھی، وہ تحریک بحالی جمہوریت کے دوران اسلام اور سوشلزم کی نظریاتی کش مکش شروع ہونے کے بعد اتنی پُرجوش نہیں رہی اور اب نوبت یہاں تک پہنچ گئی۔ کہ چینی سفارت خانے کو باقاعدہ حکومت پاکستان سے گلے شکوے کرنے کی ضرورت پیش آنے لگی"۔ (زندگی ۹ مارچ ۱۹۷۰ء) گویا جماعت اسلامی احتجاج کا حق بھی نہیں دینا چاہتی۔ اور تمام ذمہ داری چین پر ڈال دی۔

ہمارے سامنے جماعت اسلامی کا اصلی نے وڈا ترجمان "ایشیا" مورخہ ۷ نومبر ۱۹۷۱ء ہے اس کے سرورق پر لکھا ہے۔ کہ "چین کے بارے میں خصوصی اشاعت" اور "ہم خیر مقدم کرتے ہیں" کے عنوان سے مولانا مودودی کا ایک پیغام ہے۔ آپ بھی اس کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمایئے۔

"عوامی جمہوریہ چین کے مجلس اقوام متحدہ میں شامل ہوتے کا ہم خیر مقدم کرتے ہیں۔ ہماری یہ ہمیشہ سے رائے رہی ہے کہ چین کی حقیقی نمائندگی عوامی جمہوریہ ہی کرتی ہے۔ اور فارموسا کی چھوٹی سی حکومت پورے ملک چین کی نمائندہ نہیں ہو سکتی۔۔۔"

اس پیغام میں جماعت اسلامی کی چینی دشمنی صاف جھلک رہی ہے چینی اور پاکستانی عوام اور حکومت پاکستان سب کے نزدیک چین میں صرف ایک ہی حکومت ہے۔ عوامی جمہوریہ چین فارموسا چین کا اٹوٹ اور ناقابل تقسیم حصہ ہے لیکن مودودی نے "فارموسا کی چھوٹی سی حکومت" کا لفظ استعمال کر کے یہ ثابت کر دیا کہ وہ فارموسا کو ایک ملک سمجھتے ہیں۔ دو چین کے نظریے کے حامی ہیں۔ کیونکہ ملک کے بغیر حکومت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ کیا دو چین کا نظریہ چین کی بدترین دشمنی کا ثبوت نہیں؟ حقیقت تو یہ ہے کہ مودودی عوامی جمہوریہ چین کو اپنے آقائے ولی نعمت شاہ فیصل کی طرح تسلیم ہی نہیں کرتے۔ یہ پیغام تو صرف دھوکا دینے کے لئے دیا گیا ہے۔

اسی شمارے میں "مسلمان چین میں۔ ایک تاریخی مطالعہ" کے عنوان سے ایک مضمون ہے جس میں لکھا ہے۔

"چینی کمیونسٹوں اور ان کے ساتھ روسی ماہروں کی وحشت و بربریت کا اعلان ارمچی ریڈیو سے اس وقت کے گورنر جنرل برہان شاہدی نے کیا، ۱۹۵۲ء کے نئے سال کے پیغام میں انہوں نے بتایا کہ ۱۹۵۰-۵۱ء میں رجعت پسندوں کے خلاف مہموں میں ۱۲ لاکھ ۲۰ ہزار مسلمان موت کے گھاٹ اتارے گئے"۔

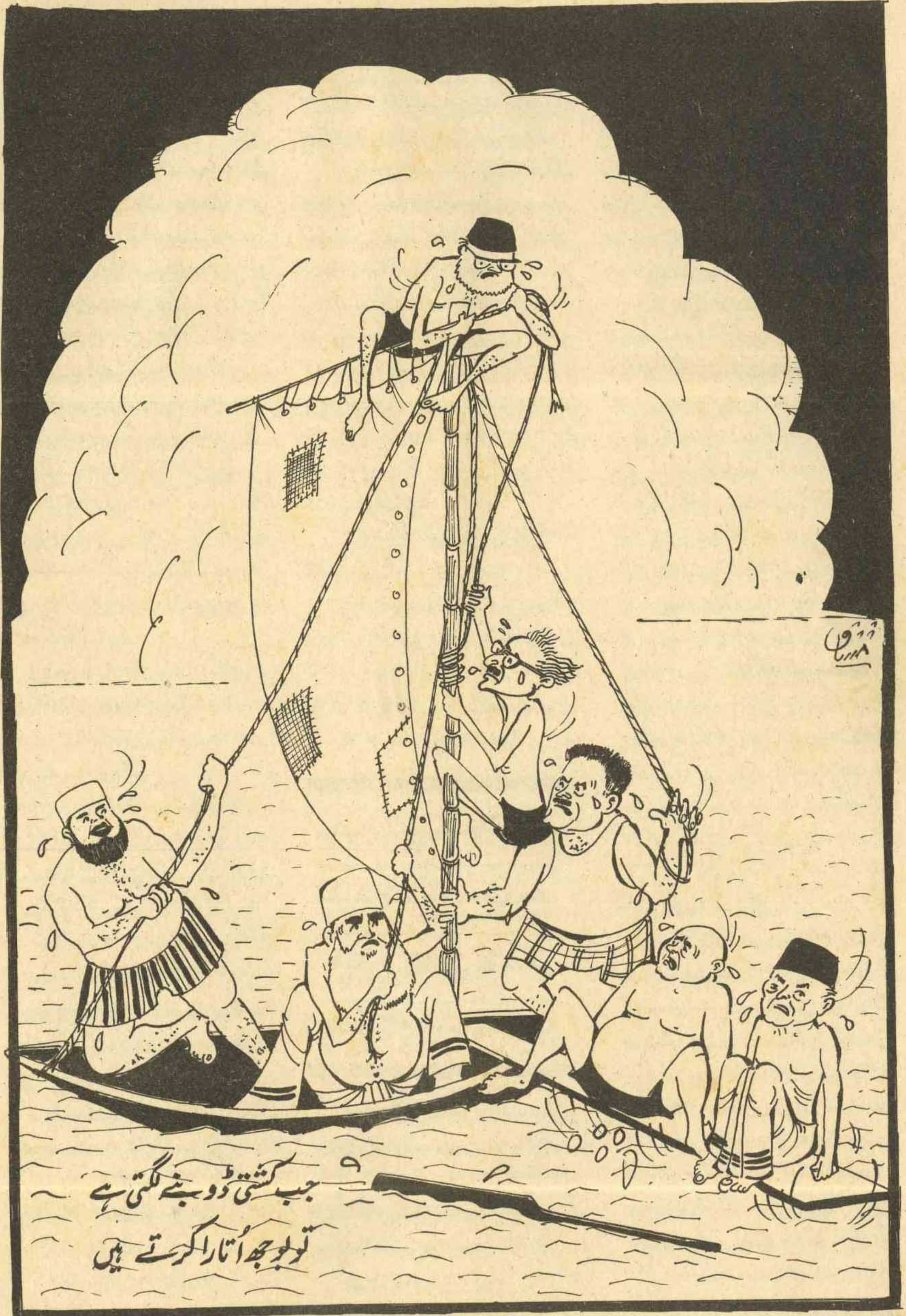
رجعت پسندوں کی
چین دشمنی نے
چینی سفارت خانے کو
احتجاج پر مجبور کر دیا

اس قتل عام کا کیا ثبوت ہے؟ خود جماعت اسلامی کو بھی نہیں معلوم، لیکن اس نے اس کی صداقت کا اس لئے یقین کر لیا کہ یہ واقعہ شکاگو یونیورسٹی کے سامراج نواز پروفیسر محمد یوسف چنگ نے تحریر کیا ہے اور جماعت اسلامی کے نزدیک کسی فرد کی سچائی اور صداقت کا ایک ہی پیمانہ ہے کہ وہ سامراج نواز ہو۔

ایک اور مودودیئے ہیں۔ نام ہے۔ عبدالکریم عابد، جماعت اسلامی کے ترجمان روزنامہ "جسارت" کے مدیر ہوتے ہیں۔ انہوں نے سوشلزم اور چین کے خلاف متعدد کتابچے لکھے ہیں۔ جو "دعوت الحق" پاکستان نے شائع کئے ہیں جس کے ناظم نور احمد ہیں۔ یہ کتابچے جامعہ کراچی میں خصوصاً اور کالجوں اور اسکولوں میں عموماً بھاری تعداد میں مفت تقسیم کئے جاتے ہیں۔ اس وقت ہمارے سامنے "سوشلزم اور مزدور" اور "اسلامی سوشلزم" نامی دو کتابچے ہیں، جو ہمیں جامعہ کراچی ہی سے ملے ہیں۔ عبدالکریم عابد کی حبارتیں ملاحظہ ہو۔

"جہاں تک چین کا تعلق ہے، یہ حقیقت کسی سے پوشیدہ نہیں کہ مزدور وہاں پیوند لگے کپڑوں میں نظر آتے ہیں اور انہیں "ثقافتی انقلاب" کے نام پر آٹھ گھنٹے کی بجائے بارہ بارہ گھنٹے کام پر مجبور کیا جا رہا ہے۔ اجرت بھی نہایت کم دی جاتی ہے اور وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ مزدوروں کو اپنے ملک کے لیے اور اپنی آئندہ نسل کے لیے ایثار سے کام لینا چاہیئے اور روکھا سوکھا موٹا کھا کر۔ پھٹا پرانا پہن کر گزارہ کرنا چاہیئے کیونکہ یہی ماؤزے تنگ کی تعلیم ہے۔ یہ بات بھی اب راز نہیں رہی کہ چین کا مزدور کا طبقہ ماؤزے تنگ کی بجائے لیوشاؤ چی کے گروہ کا حامی تھا۔ کیونکہ لیوشاؤ چی بھی خروشچیف کی طرح مزدوروں پر جبر اور اُن کے استحصال کے حامی نہیں تھے۔ لیکن اُن کو دبانے کے لئے فوج طلب کی گئی۔ اور ابھی تک یہ مرحلہ نہیں آیا کہ فوج کو بیرکوں میں واپس ہونے کا حکم دیا جائے۔ صورتِ حال کی سنگین نوعیت کا اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ گیارہ سال بعد اب کمیونسٹ پارٹی کا اجلاس ہو رہا ہے۔ گیارہ سال تک حکمران کمیونسٹ پارٹی کے مندوبین کا اجلاس اس لئے نہیں بلایا گیا کہ پارٹی کی اکثریت حکومت کی مزدور دشمن پالیسی کے خلاف تھی۔ ان گیارہ سالوں میں کمیونسٹ پارٹی کے آدھے سے زیادہ مستقل ممبر اور ایک تہائی سے زیادہ غیر مستقل ممبر پارٹی سے نکال دیئے گئے۔ اور پارٹی کے پُرانے مندوبین کی جگہ فوجی افسروں کو مقرر کیا گیا۔ جب یہ کارروائی ہو گئی تو اب گیارہ سال بعد کمیونسٹ پارٹی کا نواں اجلاس ہوا ہے۔ کیونکہ اب ماؤ کی فوجی حکومت کو اکیس سال گزر گئے اور مخالفت کا خطرہ نہیں رہا۔ آٹھویں اور نویں اجلاس کے درمیان میں یہ گیارہ سال کا وقفہ کیوں رہا؟ اس لئے کہ اس عرصہ میں مزدور غیر مطمئن تھے۔ اور کمیونسٹ پارٹی میں جو مزدور نمائندے اور رہنما تھے اور جو مزدور یونینوں کے منتخب کردہ تھے وہ بھی غیر مطمئن تھے۔ ان غیر مطمئن

باقی صفحہ ۳۱ پر ملاحظہ فرمائیں


جب کشتی ڈوبنے لگتی ہے
تو بوجھ اُتارا کرتے ہیں

کیپٹن فاؤنڈیشن
— پر —
پردہ چاک

خیراتی ادارے + عطیات + سیاست = منافع در منافع

صدر مملکت کے ریلیف فنڈ میں ۲۵ ہزار

غریب کے جاں بلب بچوں کے لیے ٹکا سا جواب

الفتح رپورٹ

اس خط کو پڑھیے اور مرعوب ہو جائیے کہ مکتوب نگار کے دل میں عوام کا کس قدر درد ہے۔ خط یہ ہے۔

بزبان انگریزی

بہت ضروری

۱۰ مئی ۶۹ء

جنرل اے۔ ایم۔ یحییٰ خاں۔ صدر پاکستان
راولپنڈی

ڈیر سر

ملاقات کے لئے درخواست

ہم نے آج آپ کو ایک تار ارسال کیا ہے۔ یہ خط اس کی تصدیق کے طور پر ارسال کیا جا رہا ہے۔ تار یہ ہے۔

"آپ سے انٹرویو کے وقت کے لئے درخواست گزار ہیں تاکہ مشرقی پاکستان کے ریلیف فنڈ میں ۲۵ ہزار روپے کا چیک پیش کر سکیں۔ ہمیں آپ کی مدد کی بھی ضرورت ہے تاکہ ایک خیراتی ادارے کو سات سال پہلے بیس ہزار روپے دیتے تھے۔ وہ اس ادارے نے خرد برد کر لئے ہیں۔ آپ کے تعاون سے یہ رقم برآمد ہو سکتی ہے۔

کائیکی کیپٹن، چیئرمین
کیپٹن فاؤنڈیشن

میں اور میری اہلیہ آپ سے جلد سے جلد ملنا چاہتے ہیں تاکہ :۔

الف : آپ کی خدمت میں مشرقی پاکستان ریلیف فنڈ میں ۲۵ ہزار روپے کا چیک پیش کر سکیں۔

(ب) ہم نے لاہور ٹی بی ایسوسی ایشن کو ۱۹۶۱ء میں ۲۰ ہزار روپے کی رقم کا عطیہ دیا تھا۔ اس رقم سے ہمارے نام پر ایک کلینک تعمیر ہونا تھا۔ یہ کلینک بنا اور نہ ہمیں رقم واپس کی گئی بلکہ یہ کہہ کر ٹرخا دیا جاتا رہا کہ کلینک اگلے ماہ تعمیر ہو جائے گا۔ یہ ماہ کبھی نہیں آیا۔ اس سلسلے میں آپ کے تعاون کی ضرورت ہے تاکہ قانونی چارہ جوئی کے بغیر پیسہ مل جائے۔

ہماری فاؤنڈیشن چار خیراتی شفاخانے عثمان آباد، ملیر، جیسور اور کھلنا میں چلا رہی ہے۔ یہ شفاخانے تقریباً مفت ہر ماہ بارہ ہزار مریضوں کا علاج کرتے ہیں۔

ہمیں یقین ہو گیا ہے کہ لاہور ٹی بی ایسوسی ایشن مذکورہ کلینک تعمیر کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی اور نہ ہی وہ اس کی اہل ہے۔ ہم بے چین ہیں کہ یہ کلینک اپنے طور پر تعمیر کروائیں اور یہ رقم وصول ہونے کی صورت میں ہی ممکن ہے۔

ہم آپ کے شکر گزار رہوں گے۔ اگر آئندہ ہفتے کے اوائل میں انٹرویو کا وقت مرحمت فرما دیا جائے۔

آپ کا مخلص
کیپٹن۔ کے۔ آر۔ ایس۔ کیپٹن
ماسٹر مارنبر۔ ۷ ۱۹۳ء

دیکھا صاحب، کیپٹن صاحب کتنے بڑے مخیر ہیں۔ ۲۰ ہزار روپے لاہور ٹی۔ بی ایسوسی ایشن کو عنایت کئے۔ چار خیراتی ادارے چلا رہے ہیں۔ ۱۲ ہزار مریض ہر ماہ علاج کی سہولتوں سے مستفیض ہوتے ہیں۔ کوئی معمولی بات نہیں۔ نیکی کا یہ سلسلہ یہیں ختم نہیں ہوتا بلکہ وہ تو صدر صاحب کو مشرقی پاکستان کے ریلیف فنڈ میں ۲۵ ہزار روپے کا عطیہ دے رہے ہیں۔

بڑی بات ہے۔ اس دور میں کوئی ایک کوڑی تک نہیں دیتا۔ کیپٹن صاحب ہزاروں روپے نیکی کے کھاتے میں ڈال رہے ہیں۔

لیکن ٹھہریئے، ان کی اصل تصویر کچھ اور ہے۔ یہ درخواست پڑھ لیجئے جو انہیں ان کی ایک کمپنی فرخ کیمیکل انڈسٹریز عثمان آباد کے ایک ملازم ایس منظور علی نے ۱۵ ستمبر ۷۱ء کو تحریر کی تھی۔ اس درخواست میں لکھا تھا:۔

"میرے تین بچے موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا ہیں۔ ڈاکٹر نے اُن کی جان بچانے کے لئے مارکیٹ سے جو ادویات خریدنے کے لئے کہا ہے وہ بہت قیمتی ہیں۔ ازراہِ کرم اپنی فاؤنڈیشن میں سے سو روپے بطور عطیہ مرحمت فرما دیجئے تاکہ میں اپنے بچوں کے لئے مذکورہ ادویات خرید سکوں۔

میں انسانیت کے نام پر آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ میری اور میرے بچوں کی مدد کیجئے۔ میں بہت پریشان اور فکرمند ہوں۔

میں آپ کا بہت شکر گزار ہوں گا۔ ازراہِ نوازش اس سوال پر ہمدردانہ غور کیجئے۔"

جواب یہ تھا۔

"مجھے افسوس ہے۔ فاؤنڈیشن میرے خاندان اور اسٹاف کو فائدہ پہنچانے کے لئے نہیں ہے۔

اتنے بچے پیدا کرنے سے پہلے تمہیں اپنی ذمہ داریوں کا خیال ہونا چاہیئے تھا۔ اب تمہیں اس بے وقوفی اور غیر ذمہ داری کی سزا بھگتنے کے لئے تیار رہنا چاہیئے"

افسوس
دستخط) کائیکی

الفتح

خیراتی شفاخانے کی آمدنی کم ہے لہٰذا ڈاکٹر کی تنخواہ کم کی جاتی ہے

نوٹ: تاہم تمہیں سوشل سیکورٹی سے مفت علاج کی سہولت مِل سکتی ہے۔

یہ دو خط اس خیراتی فاؤنڈیشن اور اس کے چیئرمین کیپٹن کے۔آر۔ایس کے چہرے سے نقاب اٹھانے کے لئے تحریر کئے گئے ہیں۔ اسی فاؤنڈیشن کے ریکارڈ سے مزید بھیانک پہلو سامنے آتے ہیں۔ پتہ چلتا ہے کہ مسٹر کے آر۔ایس کیپٹن نے صدرِ مملکت کو اپنی فیاضی، دریا دلی اور ملک کے غریب اور مظلوم عوام سے وابستگی کا جو تذکرہ کیا ہے، وہ مملکت کی اتنی اہم شخصیت سے کھلا مذاق ہے اور اس کے پس منظر میں دُوسرے مفادات مضمر ہیں۔

ملاحظہ فرمایئے کہ صدر مملکت کو لکھے جانے والے مکتوب میں جن چار خیراتی شفاخانوں میں ہر ماہ تقریباً" مفت بارہ ہزار مریضوں کو علاج کی سہولتیں فراہم کرنے کا ذکر کیا گیا ہے، ان کی حقیقت کیا ہے۔ ذیل میں مسٹر کے۔آر۔ایس۔کیپٹن کے ایک خط کا اردو ترجمہ دیا جاتا ہے جو انہوں نے "دی کیپٹن فاؤنڈیشن عثمان آباد ڈسپنسری کی لیڈی ڈاکٹر انچارج ڈاکٹر خدیجہ ملک کے نام لکھا تھا۔ یہ خط ۲۹ دسمبر ۱۹۶۲ء کا ہے

ڈیر ڈاکٹر ملک۔

مجھے افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کہ ہماری عثمان آباد ڈسپنسری کا رواں سال ختم ہونے والا ہے۔ یہ سال کارکردگی کے لحاظ سے انتہائی غیر اطمینان بخش رہا ہے۔

ملک بھر کی تمام خیراتی ڈسپنسریاں خود کفیل ہیں۔ ہماری ڈسپنسریاں بھی اس قابل ہیں کہ اُن میں معمولی نقصان ہوتا کہ غریب مریضوں کے علاج سے ہونیوالا نقصان برداشت کیا جا سکے۔ کھلنا کی ڈسپنسری کے قیام کو ایک سال ہی ہُوا ہے۔ یہ مفلس اور نادار آبادی میں واقع ہے۔ لیکن اس کے باوجود خود کفیل ہو گئی ہے۔ اور ملیر کلینک بھی اپنے پاؤں پر کھڑا ہو چکا ہے۔

اور ملاحظہ ہو کہ پورٹ ریلیف سوسائٹی کے زیرِ اہتمام چلنے والی تمام ڈسپنسریاں خود کفیل ہیں۔ میں اس کا صدر ہوں اور چاکیواڑہ کی ڈسپنسری جہاں روزانہ ڈیڑھ سو مریض روزانہ علاج کے لئے آتے ہیں سالانہ پانچ ہزار روپے کا منافع دے رہی ہے جو کہ غریب آدمیوں کو مزید علاج معالجے کی سہولتیں فراہم کرنے پر لگا دیا جاتا ہے۔

اب آپ کی ڈسپنسری کا عالم یہ ہے کہ ۱۹۶۱ء میں ۶۳۰ روپے کا نقصان ہُوا اور ۱۹۶۲ء میں نقصان ۳۷۸۹ روپے تک پہنچ گیا۔ ہر ماہ اور ہر روز مریضوں کی تعداد میں کمی ہو رہی ہے۔ موجودہ حالات میں، ہمیں افسوس کے ساتھ آپ کو مطلع کرنا پڑ رہا ہے۔ کہ ہم آئندہ سال سے آپ کو پانچ سو روپے ماہوار تنخواہ نہیں دے سکتے۔ ان حالات میں آپ سے درخواست ہے کہ آپ جب تک ہماری آمدنی میں اضافہ نہیں ہوتا۔ چار سو روپے ماہوار وصول کریں۔ جونہی آمدن بڑھی تنخواہ دوبارہ پانچ سو روپے ہو جائے گی۔

اگر آپ اپنے مالی حالات کی وجوہ پر کہیں اور جانے کا فیصلہ کریں تو یقیناً ہمیں آپ سے علیٰحدگی کا افسوس ہوگا۔ ہمیں یہ اعتراف ہے کہ آپ کا کام اطمینان بخش رہا اور ہمارے تعلقات بھی خوشگوار رہے لیکن یہ بات آپ بھی جانتی ہیں کہ تنخواہ کی ادائیگی اسی آمدنی میں سے ہوگی جو کہ ڈسپنسری سے وصول ہوتی ہے۔ اس موقع پر میں آپ کو، آپ کے اسٹاف اور خاندان کو نئے سال کی مبارک باد بھی پیش کرتا ہوں۔

آپ کا مخلص

کے۔آر۔ایس۔کیپٹن۔چیئرمین

ایک اور خط پڑھیئے۔ اندازہ لگایئے کہ مسٹر کیپٹن نے جن خیراتی اداروں کا ذکر صدر مملکت سے کیا ہے، وہ کن پابندیوں کے تحت تجارتی بنیادوں پر چل رہے ہیں۔ یہ خط ۹ اپریل ۱۹۶۶ء کو

مارشل لاء جاری رکھیے

جمہوریت کی بحالی کے

دعویدار صحافی، سیاستدان

غنڈے ہیں" ـــــ کائیکی

کیپٹن فاؤنڈیشن کے افسر تعلقات عامہ مسٹر اورنگ زیب راجہ نے ملیر ڈسپنسری کے اسٹاف کے نام لکھا تھا۔

ڈیر اسٹاف!

تمام ڈسپنسریوں کے ریکارڈ کے معائنہ کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ ملیر کی ڈسپنسری میں مفت علاج کی سہولتوں سے بہرہ مند ہونے والوں کی تعداد خطرے کی حد تک بڑھ چکی ہے۔ عثمان آباد کی ڈسپنسری میں روزانہ ۲۰۰ کے لگ بھگ مریضوں کا علاج ہوتا ہے۔ ان میں سے زیادہ سے زیادہ پانچ دس فیصد مریضوں کا مفت علاج کیا جاتا ہے جبکہ ملیر کی ڈسپنسری میں تقریباً سو مریض روزانہ آتے ہیں اور ان میں ۳۰ سے ۴۰ تک کا مفت علاج کیا جاتا ہے۔

"جیسا کہ سب کو معلوم ہے کہ ہم غریبوں سے علاج کے واجبی پیسے وصول کرتے ہیں ان حالات میں اوّل تو مفت علاج کا سوال ہی بمشکل پیدا ہوتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کو چاہیے کہ زیادہ سے زیادہ پانچ مریضوں کا انتہائی مجبوری کی حالت میں اپنی مرضی سے فری علاج کرے کیونکہ ہم دوسری ڈسپنسریوں کے مقابلے میں ٹوکن فیس بھی کم وصول کرتے ہیں۔"

یہ نئی بات نہیں۔ ملک میں قائم ہونے والی تمام فاؤنڈیشن کا یہی چلن ہے، ان کے قیام کا مقصد ٹیکس چوری اور اثر و رسوخ بڑھانے کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ وہ اس قسم کے اداروں میں لگائے جانے والے سرمائے کے بدلے مراعات حاصل کرتے ہیں، کیپٹن فاؤنڈیشن کی یہ دستاویز اس امر کا بہت بڑا ثبوت ہیں کہ مسٹر کائیکی صدر مملکت سے شرف باریابی کے حصول کے لئے ۲۵ ہزار روپے مشرقی پاکستان ریلیف فنڈ میں دینے پر رضامند ہے لیکن اپنے ہی ایک ملازم کے چار بچوں کی زندگی بچانے کے لئے صرف سو روپے ہی نہیں دیتا۔ بلکہ مصیبت، ابتلاء اور پریشانی سے دوچار درخواست گذار کے منہ پر زناٹے دار تھپڑ مارتا ہے کہ تم نے اتنے بچے کیوں پیدا کئے، بیوقوف اپنی غیر ذمہ دارانہ حرکت کی سزا بھگتو۔

مسٹر کائیکی نے صدر مملکت کے نام اپنے خط میں غلط بیانی کا جو مظاہرہ کیا ہے اس کا ثبوت مسٹر کائیکی کے ڈاکٹر خدیجہ اور مسٹر اورنگ زیب راجہ کے اسٹاف کے نام احکامات سے بھی بخوبی لگ سکتا ہے، وہ شفاخانے جنہیں مسٹر کائیکی نے خیراتی اداروں کا نام دیا ہے دراصل خالصتاً تجارتی بنیادوں پر چل رہے ہیں۔ ان اداروں میں کائیکی کو چھ سو روپے کا نقصان بھی گراں گزرتا ہے۔ اس نقصان کی سزا لیڈی ڈاکٹر کو ملتی ہے اس کی تنخواہ میں کمی کی جاتی ہے اور بصورت کمی قبول نہ کرنے پر مکتوب نگار مسٹر کائیکی انتہائی مکارانہ انداز میں لکھتا ہے کہ "آپ نوکری بھی چھوڑ سکتی ہیں":

سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کی نسل میں مسلمان،

باقی صفحہ ۳۰ پر ملاحظہ فرمایئں



نورالامین کے سیاہ ماضی اور خطرناک مستقبل کی تفصیلات

مکتوب مشرقی پاکستان

ایک اہم مضمون

۱۹۵۲ء میں نعرے لگے:

"نورالامین کی گردن چاہیئے!"

نمائندہ الفتح - ڈھاکہ

کہا جاتا ہے کہ عوام کی یادداشت بہت کمزور ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ عوام ایک دور میں جن سیاسی لیڈروں کو مسترد کر دیتے ہیں۔ ان کے خلاف نعرے لگاتے ہیں اور اپنے غم و غصہ کا اظہار کرتے ہیں (بلکہ بعض دفعہ ان کے "گلا" کا مطالبہ کرتے ہیں) وقت بدلنے کے ساتھ ہی اسی لیڈر کو منتخب کرتے۔ ان کی پوجا کرتے اور اگر موقع ملتا ہے تو انہیں کرسی اقتدار بھی بخشتے ہیں۔ عوام کی یادداشت کمزور ہونے کی بات دوسرے کسی ملک میں درست ہو یا نہ ہو کم از کم پاکستان میں نام نہاد سیاستدانوں نے سو فی صد درست قرار دیدیا ہے اور اس کا بین ثبوت پاکستان کے بزرگ اور معمر سیاستدان نورالامین ہیں۔ نورالامین پاکستان کے وہ بزرگ اور معمر سیاستدان ہیں جنہوں نے مشرقی پاکستان میں سب سے پہلے جمہوریت کا خون کیا۔ ۲۱ فروری ۱۹۵۲ء میں بنگلہ کو سرکاری زبان قرار دینے کا مطالبہ کرنے والے طالب علموں کے پُرامن اور نہتے جلوس پر گولیاں برسا کر مغربی پاکستان اور بنگالیوں اور غیر بنگالیوں کے درمیان نفرت و عناد کا پہلا بیج بویا اور اس طرح مشرقی پاکستان میں بنگالی قوم پرستی کو ابھرنے اور پروان چڑھنے کے لئے بہترین موقع فراہم کیا۔ ۲۱ فروری ۵۲ء میں ڈھاکہ میڈیکل کالج اسپتال کے سامنے طلبا کے جلوس پر ہونے والی فائرنگ کے بعد ڈھاکہ کی سڑکوں پر جو جلوس نکلا اس کا صرف ایک ہی نعرہ تھا اور وہ تھا "نورالامین ایبر کلا چلائی" (نورالامین کی گردن چاہیئے) اس فائرنگ کے نتیجہ میں مشرقی پاکستان میں ایک ایسی زبردست عوامی تحریک ابھری جو مسلم لیگ اور نورالامین جیسے جمہوریت دشمن لیڈروں کو خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے گئی۔ اس کے فوراً بعد مشرقی پاکستان میں جو پہلا عام انتخاب ہوا۔ اس میں مسلم لیگ کو شکست فاش ہوئی اور تحریک پاکستان کے مشہور رہنما۔ متحدہ بنگال کی صوبائی اسمبلی کے اسپیکر مسلم لیگ کے ممتاز لیڈر اور اس دور کے مشرقی پاکستان کے وزیراعلیٰ نورالامین کو ایک غیر معروف اور انتہائی گمنام طالب علم امیدوار کے مقابلہ میں ان کے اپنے گھریلو حلقۂ انتخاب میں زبردست شکست ہوئی اور اس شکست کے بعد اور ۱۹۷۰ء کے عام انتخابات سے قبل نورالامین کسی بھی ضمنی انتخابات میں کامیاب نہیں ہوئے اور انہیں بار بار شکست فاش کا منہ دیکھنا پڑا آج یہ قدرت کی ستم ظریفی نہیں تو اور کیا ہے کہ وہ پاکستان کی دائیں بازو کی سات سیاسی جماعتوں کے مشترکہ لیڈر کی حیثیت سے پاکستان کا وزیر اعظم بننے کا خواب دیکھ رہے ہیں جنہیں عوام نے بار بار مسترد کر دیا ہے میں نے ابھی ابھی کہا کہ نورالامین دسمبر ۷۰ء کے عام انتخابات سے قبل کسی بھی ضمنی انتخابات میں کامیاب نہیں ہوئے لیکن ٹھہرئیے! کیا آپ جانتے ہیں کہ نورالامین دسمبر ۷۰ء کے عام انتخابات میں کس طرح کامیاب ہوئے؟ اگر آپ نہیں جانتے تو پھر سنئیے! قارئین کو یاد ہوگا کہ نورالامین مشرقی پاکستان کے واحد سیاسی لیڈر ہیں جو عام انتخابات میں پاکستان جمہوری پارٹی کے امیدوار کی حیثیت سے کامیاب ہوئے ہیں ورنہ مشرقی پاکستان کے عوام نے عوامی لیگ کے مقابلہ میں تمام سیاسی جماعتوں کے امیدواروں کو مسترد کر دیا تھا۔ نورالامین واحد خوش قسمت امیدوار تھے جنہیں ان کے دیہی حلقۂ انتخاب میمن سنگھ میں بہت ہی معمولی ووٹ سے کامیابی ہوئی تھی اور وہ بھی اس لئے کہ انہوں نے اپنے حلقۂ انتخاب میں جا کر ووٹروں سے کہا تھا کہ "میں عمر کی آخری منزل پر پہنچ چکا ہوں۔ میں نے عمر بھر عوام کی خدمت کرنے اور عوام کے مسائل حل کرنے کی کوشش کی ہے لیکن جگتو فرنٹ (متحدہ محاذ) کے دور میں شکست کھانے کے بعد مجھے انتخاب میں کبھی کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ اب میں کافی بوڑھا ہو چکا ہوں میں نہیں جانتا میں کب ملک عدم کو روانہ ہو جاؤں اس لئے میں مرنے

انہوں نے پولیس ایکشن کی ذمہ داری قائدِ اعظمؒ اور ناظم الدین پر ڈال دی

سے قبل آخری بار آپ لوگوں کی خدمت کرنا چاہتا ہوں اس لئے آپ لوگ انتخاب میں مجھے ووٹ دیجئے میں آپ لوگوں سے آخری بار موقع کا طلبگار ہوں"

عینی شاہدوں اور باخبر حلقوں کا کہنا ہے کہ نورالامین کے حلقہ انتخاب کے رائے دہندوں نے صرف ان کی ضعیفی اور تحریک پاکستان میں ان کی خدمات کو پیش نظر رکھ کر انہیں ووٹ تھا ورنہ ان کے مقابلہ میں عوامی لیگی امیدوار کم مقبول اور بااثر نہیں تھے نورالامین کی کامیابی میں پاکستان جمہوری پارٹی کی سیاست یا منشور کو کوئی دخل نہیں تھا بلکہ صرف نورالامین کی شخصیت اور ذاتی اثرورسوخ نے کام کیا تھا ورنہ سیاسی پروگرام کے اعتبار سے پی ڈی پی کے منشور کے مقابلہ میں کالعدم عوامی لیگ کے سیاسی پروگرام میں زیادہ اپیل تھی۔ آج وہی مشرقی پاکستان کے انتہائی غیر مقبول بھیک کے ووٹ" سے کامیاب ہونے والے رہنما پورے پاکستان کے نمائندہ کی حیثیت سے سیاسی سودا بازی کر رہے ہیں اور پاکستان میں جمہوریت کی بحالی کا سہرا اپنے سر باندھنے کی کوشش کر رہے ہیں حالانکہ یہ وہی نورالامین ہیں جنہوں نے مشرقی پاکستان میں سب سے پہلے جمہوریت کا گلا گھونٹا تھا اور اپنے سیاسی مخالفوں کو صرف اس جرم میں جیل کی کال کوٹھریوں کے پیچھے ڈال دیا تھا کہ انہیں ان کی سیاسی پالیسی اور نظریہ سے اختلاف تھا یہ وہ دور تھا جب کہ پاکستان کو منصہ شہود پر آئے صرف پانچ سال ہوئے تھے مسلم لیگ کا بول بالا تھا اور مسلم لیگ کی وزارت پر نکتہ چینی کرنا پاکستان پر نکتہ چینی کرنا سمجھا جاتا تھا اور وزارت اور ریاست کے مابین فرق عمداً مٹا دیا گیا تھا۔ اسٹیٹ پاور مسلم لیگ کے ہاتھ میں تھا چنانچہ نورالامین نے اقتدار کے نشہ میں چور ہو کر ایک آمر مطلق کی طرح مسلم لیگ سے اختلاف رکھنے والے ہر شخص کو نہایت بے دردی سے پاکستان کی سلامتی اور تحفظ کے نام پر امتناعی نظربندی ایکٹ کے تحت جیل کی سلاخوں کے پیچھے ٹھونس دیا تھا۔ آزادئ تحریر و تقریر کا مکمل طور پر گلا گھونٹ دیا تھا۔ اور کمیونسٹوں کی "تخریبی کارروائیوں" کے بہانے کمیونسٹوں کے علاوہ تمام ترقی پسند اور لبرل خیالات رکھنے والوں بلکہ پاکستان نیشنل کانگریس کے عہدہ داروں تک کو جیلوں میں بند کر دیا تھا نورالامین کے دور اقتدار میں راجشاہی سنٹرل جیل میں سیاسی نظربندوں پر گولیاں چلائی گئیں جس سے کئی سیاسی لیڈر ہلاک اور مجروح ہوئے نورالامین کی آمریت کے خلاف حسین شہید سہروردی مولوی فضل الحق اور مولانا عبدالحمید خاں بھاشانی نے مسلم لیگ کے خلاف سیاسی محاذ قائم کیا اور اس طرح کرشک شرامیک پارٹی اور عوامی لیگ وجود میں آئی آج پاکستان میں جب جمہوریت کی بنیادوں کو کمزور کرنے والوں کا ذکر آتا ہے تو صرف سول سرونٹ چودھری محمد علی غلام محمد۔ اسکندر مرزا اور ایوب خان کا نام آتا ہے اور لوگ نورالامین کا نام فراموش کر دیتے ہیں۔ جنہوں نے پاکستان میں بیوروکریٹوں کے عنانِ حکومت سنبھالنے سے قبل اپنے دورِ اقتدار میں انتہائی بے دردی سے جمہوری اقدروں اور اصولوں کو کچلا اور جمہوری رواداری اور تحمل کو بالائے طاق رکھ کر صحت مند حزب اختلاف کو ابھرنے نہ دیا اور اس

انہوں نے

لاکھوں افراد کو

جیلوں میں

ٹھونس دیا تھا

طرح بالواسطہ طور پر عوام دشمن قوتوں کو تقویت پہنچا کر سول بیوروکریٹوں کے حصول اقتدار کے لئے راہیں ہموار کیں اس لئے اگر پاکستان میں جمہوریت کو قتل کرنے کے ملزم چودھری محمد علی غلام محمد اسکندر مرزا اور ایوب خاں ہیں تو نورالامین بھی ہیں۔ ان کے جرائم کی اہمیت اول الذکر سیاسی رہنماؤں کے جرائم کی اہمیت سے کسی طرح کم نہیں ہے

تاریخ کی یادداشت بہت تیز ہوتی ہے اور تاریخ جب وقت کا گردو غبار دھل جانے کے بعد حقیقت حال رقم کرنے کے لئے بیٹھتی ہے تو کسی سے رعایت نہیں کرتی۔ اس کی تحریر پتھر کی لکیر اور اس کا فیصلہ انتہائی منصفانہ ہوتا ہے

نورالامین کو اپنے تاریخی جرائم اور جمہوریت کشی کا شدید احساس ہے۔ اور ان کا ضمیر اس کے لئے ان کی ملامت کرتا رہتا ہے چنانچہ اسی لئے انہوں نے آج سے کچھ عرصہ قبل مشرقی پاکستان کے مشہور بنگلہ روزنامہ "پوربودیشی" میں مذکورہ اخبار کے مالک اور سابق وزیر خارجہ حمیدالحق چودھری کی درخواست پر ایک مضمون لکھا تھا جس میں انہوں نے جمہوریت کے خون سے رنگے ہوئے اپنے ہاتھ کو دھونے کی کوشش کرتے ہوئے ۲۱ فروری ۱۹۵۲ء کی بھاشا اندولن "لسانی تحریک" کے موقع پر کی جانے والی فائرنگ کی ساری ذمہ داری اس دور کے پولیس کمشنر اور قائد اعظم محمد علی جناح پر عائد کر دی تھی اور انہوں نے اپنے آپ کو صاف بچا لیا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ یہ مضمون چونکہ بنگلہ زبان میں شائع ہوا ہے اس لئے مغربی پاکستان کے اردو دان عوام کو اس کا کانوں کان علم نہیں ہو سکے گا اور وہ جو جی میں آئے گا قائد اعظم اور خواجہ ناظم الدین پر الزامات عائد کر کے خود کو سرخرو ثابت کر لیں گے۔ لیکن اتفاق سے اس مضمون کا اردو ترجمہ ہفت روزہ "زندگی" لاہور میں بھی شائع ہوا ہے جس کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ نورالامین نے کس طرح ۵۲ء کی لسانی تحریک ابھرنے کا بنیادی سبب قائد اعظم محمد علی جناح کو قرار دیا ہے چنانچہ نورالامین اپنے مضمون میں فرماتے ہیں۔

"۲۱ فروری کے اندوہناک واقعہ کی یاد میں ابھی تک فراموش نہیں کر سکا اور نہ کبھی فراموش کر سکوں گا اگر کوئی شخص یہ ثابت کرے کہ میں نے بنگلہ زبان کو سرکاری زبان قرار دینے میں رکاوٹ ڈالی ہے یا بنگلہ زبان کے خلاف کوئی کردار ادا کیا ہے تو عوام کے لعن طعن کا نشانہ بننے کے لئے تیار ہوں

باقی صفحہ ۳۳ پر ملاحظہ فرمائیں

امریکی پولیس نے اُسے سان کوانٹین کی جیل میں ہلاک کر دیا

شاہد محمود ندیم

"سان کوانٹین جیل سے ملنے والی اطلاعات سے معلوم ہوا ہے کہ سیاہ فام وحشت پسند قیدیوں کے ایک گروہ نے جیل کی دیوار پھاند کر فرار ہونے کی کوشش کی اور محافظین اور جیل کے عملے پر گولیاں برسائیں۔ تاہم محافظین نے فرار کی یہ کوشش ناکام بنادی۔ قیدیوں اور محافظین کے درمیان فائرنگ سے ایک محافظ اور تین سیاہ فام قیدی زخمی ہو گئے۔ فرار ہونے کی کوشش کرنے والے قیدیوں کا لیڈر جارج جیکسن، جو قتل اور ڈکیتی کا مجرم تھا مقابلے میں مارا گیا۔"

اس ماہ کے شروع میں یہ خبر امریکی اخبار دن میں چھپی۔ امریکی جیلوں میں بغاوت یا قیدیوں کے "مقابلے" میں مارے جانے کی خبریں اب اتنی سنسنی خیز نہیں رہیں۔ اور اس خبر کو بھی اسی انداز میں پیش کیا گیا جیسے یہ جیل سے فرار ہونے والے قیدیوں کی شرپسندی کا ایک واقعہ ہے جس میں ایک "کالا شرپسند قاتل اور ڈاکو" مارا گیا۔ مگر حقیقت یہ نہیں تھی۔ جارج جیکسن بلیک پینتھر تحریک کا ایک ممتاز رہنما، تیزی سے بین الاقوامی شہرت حاصل کرنے والا صاحب طرز ادیب انتہائی حساس ذہن اور شاعرانہ مزاج رکھنے والا انسان اور ایک عظیم انقلابی تھا۔ حال ہی میں اس کی کتاب "سالڈیڈ برادر" منظر عام پر آئی تھی۔ جس نے اپنے منفرد انداز بیان، احساس کی شدت اور بھرپور تاثر کے باعث "بیسٹ سیلر" کی حیثیت اختیار کر لی تھی۔ اس کتاب کے ذریعے ہی جارج جیکسن امریکی عوام سے متعارف ہوا تھا اور انہیں امریکی قانون اور امن کے نام پر اس سیاہ فام نوجوان انقلابی پر کئے جانے والے مظالم کی تفصیلات کا پتہ چلا تھا۔ اس سے پیشتر کہ عوام کے احتجاج کا فریاد جیکسن کی رہائی پر منتج ہوتا۔ اسے سان کوانٹین جیل میں ہلاک کر دیا گیا۔

جارج جیکسن کی کہانی بڑی ولولہ انگیز ہے۔ اس نے امریکی حکومت قانون اور نسل پرستوں کے ظلم اور انسانیت کشی کا مقابلہ جس جوانمردی اور استقلال سے کیا اور جیل کی تنگ و تاریک کوٹھڑیوں میں انقلابی شعور کی منزلیں جس طرح طے کیں، اور جس طرح اپنے مصائب سے نجات کا راستہ ڈھونڈا، وہ دنیا کے ہر خطے کے مظلوم عوام کے لئے مشعلِ راہ ہے۔ اس کی کہانی امریکی سامراج اور بورژوا صنعتی معاشرے کے مکروہ چہرے سے امن پسندی اور قانون کا نقاب اٹھاتی ہے۔

جارج جیکسن نے شکاگو اور لاس اینجلس کی گندی اور تنگ و تاریک سیاہ فام آبادیوں میں آنکھ کھولی۔ اس نے بچپن ہی سے غربت، نفرت اور استحصال کو اپنی غربت اور مکروہ صورت میں دیکھا۔ اس کا باپ اپنے خاندان کی کفالت کے لئے بیک وقت دو جگہ نوکری کرتا تھا اور اس کے باوجود گھر کا خرچ مشکل سے چلتا تھا۔ جارج دوسرے نیگرو بچوں کی طرح جلد ہی سفید فام نسل پرستوں کے علاوہ امریکی پولیس کے ستم کا نشانہ بھی بننے لگا یوں بغاوت اور نفرت کے جراثیم پرورش پانے لگے۔

اس نے استحصالی نسل پرست معاشرے کے اصولوں پر کاربند رہنے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ اسے سکول سے نکال دیا گیا اور مختلف الزامات میں ملوث کرنے کی کوشش کی گئی۔ ابھی وہ مشکل سے ۱۸ برس کا ہوا ہوگا کہ اسے پیٹرول پمپ سے ستر ڈالر کے ڈاکے میں شریک ہونے کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا۔ الزام یہ تھا کہ وہ واردات میں استعمال ہونیوالے ٹرک کو چلا رہا تھا۔ ایک متعصب سفید فام وکیل کے مشورے پر جارج نے سخت سزا سے بچنے کے لئے "اقبال جرم" کر لیا۔ لیکن اس کے باوجود اسے سزا دیدی گئی۔ یہ سزا ایک سال سے عمر قید تک کی سزا تھی۔ امریکی قانون کی اس مضحکہ خیز شق کے مطابق تکنیکی طور پر یہ عمر قید کی سزا ہوتی ہے۔ تاہم ہر سال ایک پیرول بورڈ مجرم کے ریکارڈ کے جائزے کے بعد فیصلہ کرتا ہے کہ آیا اسے رہا کر دیا جائے یا سزا بحال رکھی جائے۔ چنانچہ جیکسن کو ۷۰ ڈالر کے ڈاکے میں مدد کرنے کے جرم میں عمر قید کی سزا دیدی گئی۔ یہ ۱۹۶۰ء کا واقعہ ہے۔

۱۹۶۰ء سے ۱۹۷۱ء تک جیکسن جیل میں رہا ہر سال پیرول بورڈ اس کی سزا بحال رکھنے کی سفارش کرتا رہا اور ۱۸ سال کا لڑکا سلاخوں کے پیچھے اور محافظین کی سنگینوں تلے ۲۹ سالہ نوجوان بن گیا۔ ایک معمولی واردات میں ماخوذ ہونے اور غلط مشورے پر اقبال جرم کر لینے کی پاداش میں وہ گیارہ برس تک امن و قانون کے عالمی محافظ امریکہ کی جیلوں میں پڑا رہا۔ انہی جیلوں میں اس نے زندگی کی تلخیوں اور محرومیوں کو قریب سے دیکھا۔ یہیں اس نے زندگی کی معنویت کا ادراک کیا۔ انہی تنگ و تاریک کوٹھڑیوں میں اس نے ظلم استحصال اور تعصب پر مبنی بورژوا معاشرے کے گھناؤنے پن کو محسوس کیا اور زندان کی دیواروں کے پیچھے ہی اس نے مارکس لینن، ماؤ، چے گویرا اور دوسرے انقلابی مفکرین اور شخصیات سے تحریک اور مقصد حاصل کیا۔ جیل میں رہتے ہوتے ہی اس نے سیاہ فاموں کے حقوق کی جدوجہد میں حصہ لینا شروع کیا اور بلیک پینتھر تحریک میں شامل ہوا اور جلد ہی تحریک کے رہنماؤں میں شمار ہونے لگا۔ انہی سالوں میں اس کا شعور پروان چڑھا اور اس نے سیاہ فاموں، قیدیوں، مظلوموں اور غریبوں پر ہونیوالے مظالم اور استحصال کی اصل روح کو سمجھا اور اسے بیان کیا۔ اس دوران اس نے اپنے والدین، بھائیوں اور دوستوں کو جو خط لکھے وہ تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کے ذریعے اس نے دنیا کے سب سے ترقی یافتہ اور مہذب "ملک کے جیلوں میں ہونے والے انسانیت سوز مظالم اور نسل پرست معاشرے کا پردہ چاک کیا تھا۔ یہیں غائبانہ طور پر وہ ڈاکٹر اینجلا ڈیوس سے متعارف ہوا اور مرتے دم تک اس عظیم نیگرو مفکر خاتون سے ملاقات کا متمنی رہا۔ اور گیارہ برس بے گناہی اور حق پرستی کے جرم کی پاداش میں زندگی کے گیارہ قیمتی برس جیل میں گزار کر ستمبر ۱۹۷۱ء کے ایک سیاہ دن وہ امریکی سفید فام نسل پرست سامراجیوں کی گولیوں کا نشانہ بن گیا۔

قید کے پہلے چند برسوں کے بعد سے جیکسن جیل حکام اور امریکی حکومت کے لئے ایک خطرہ بن چکا تھا اور یہی وجہ تھی کہ اس پر خصوصی مظالم ڈھائے گئے اور اس کے ساتھ سزا پانے والے مجرموں کی رہائی کے باوجود اسے رہا نہ کیا گیا۔ اسے تخریب پسند کیمونسٹ گوریلا، قاتل اور جانے کیا کیا قرار دیا جاتا رہا۔ بلکہ اس پر قتل کا ایک عجیب و غریب مقدمہ بھی بنا دیا گیا۔ واقعہ یوں ہے کہ سالڈیڈ جیل کے ایک مسلح محافظ نے تعصب

انھوں نے جس جن کو جگایا ہے، وہ اب بوتل میں نہیں جائے گا

اور تفننِ طبع کی خاطر تین سیاہ فام قیدیوں کو گولی مار کر ہلاک کر دیا اور عدالت نے محافظ کو حق بجانب قرار دیدیا۔ اس پر قیدی مشتعل ہو گئے اور انہوں نے ایک محافظ کو ہلاک کر دیا۔ کسی ثبوت کے بغیر جیکسن پر اس قتل کا الزام دھر دیا گیا۔ اس مقدمے میں اسے موت کی سزا ہونا یقینی تھی،

جب ان واقعات کی خبریں امریکی عوام اور بلیک پینتھرز کو پہنچیں تو انہوں نے امریکی نسل پرستوں کی شدید مذمت کی۔ کیلیفورنیا یونیورسٹی کی استاد اور دانشور نیگرو خاتون ڈاکٹر انجیلا ڈیوس اور حریت پسندوں نے جیکسن کے دفاع کی مہم چلائی۔ اس دوران جیکسن کا چھوٹا بھائی جوناتھن اٹھارہ انیس برس کا جوان بن چکا تھا۔ اس نے جب سے ہوش سنبھالا تھا۔ بڑے بھائی کو کسی جرم کے بغیر جیل میں دیکھا تھا۔ اب جب جیکسن پر قتل کا مقدمہ بھی بن گیا تو جوناتھن صبر کا دامن چھوڑ بیٹھا۔ اگست ۱۹۷۰ء کے ایک روز اس نے جیکسن کا مقدمہ سننے والی عدالت میں گھس کر جج اور جیوری کے ارکان کو یرغمال کے طور پر قابو میں لے لیا اور جیکسن اس کے ساتھیوں کی رہائی کا مطالبہ کیا۔ تاہم ان قیدیوں کو باہر لے جاتے ہوئے وہ امریکی گارڈز کی زد میں آگیا اور ہلاک ہو گیا۔ امریکی گارڈز کی گولی سے جج بھی ہلاک ہو گیا۔ جوناتھن کی موت جیکسن کے لئے شدید صدمے کا باعث بنی۔ اسے جوناتھن سے بہت محبت تھی۔ اور اسے توقع تھی کہ وہ انقلاب اور سیاہ فاموں کی آزادی کے لئے بہت کام کریگا۔ تقریباً ایک برس بعد وہ خود بھی اپنے بھائی کیطرح سامراج کی قربان گاہ کا شکار ہو گیا۔

جیکسن کے خطوط پر مبنی کتاب۔ ''سالڈیڈ برادر۔ جیل سے خطوط'' اپنی نوعیت کی ایک عظیم کتاب ہے جسے انقلابی اور جدید وجودی ادب میں ممتاز مقام حاصل ہوگا۔ اس کتاب میں اس نے جیل کے تجربات، سیاہ فاموں سے جیلوں میں دوہرے مظالم (محافظین اور سفید فام قیدیوں دونوں کی طرف)، امریکی معاشرے کے دیوالیہ پن، انقلابی جدوجہد اور سیاہ فام تحریک آزادی کے لائحہ عمل کے بارے میں اظہار خیال کیا گیا ہے۔ یہ کتاب مواد کے علاوہ انداز کی وجہ سے بھی بے حد ممتاز ہے۔ بین الاقوامی شہرت یافتہ ادیب ژاں ژینے نے اس کتاب کے دیباچے میں کہا ہے کہ یہ کتاب دراصل ایک نظم ہے۔

ژاں ژینے نے جیکسن کے انقلابی شعور اور مؤثر اندازِ بیان کی تعریف کرنے کے بعد امریکی نسل پرست معاشرے کا پردہ چاک کرتے ہوئے لکھتا ہے ''امریکی سفید فاموں کی سیاہ فاموں سے نفرت اس قدر شدید ہے کہ میرے خیال میں اس ملک کا ہر سفید فام جب کسی درخت کا بیج بوتا ہے تو وہ تصور میں اس درخت کی شاخوں سے ضرور کسی سیاہ فام کی لاش کو لٹکتا ہوا دیکھتا ہے۔''

انجیلا ڈیوس نے جیکسن کی موت سے چند ماہ قبل سالڈیڈ برادرز کی دفاعی تحریک کے سلسلے میں ایک مضمون میں لکھا تھا ''حکومت انہیں قتل کرنے اور اس طرح سیاسی مخالفوں کو بلا اختیار انتقام کا نشانہ بنانے کا تہیہ کر چکی ہے...... ان کی موت کے خلاف حالیہ جنگ اس ملک کے سیاہ فام انقلابیوں کی قسمت کی مظہر ہے اور ان سفید فاموں کی تقدیر کی بھی جنہوں نے دنیا کے سب سے مضبوط سرمایہ دار نسل پرستی سے آلودہ معاشرے کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا ہے...... فاشزم کو ملک پر غلبہ پانے سے روکنے اور انقلابی جدوجہد کو کامیابی کے راستے پر چلانے کے لئے سالڈیڈ برادرز کی آزادی بے حد ضروری ہے۔''

جیکسن کی اپنی تحریریں اس کی قابلِ رشک موت، اس کے انقلابی افکار، اس کی شدتِ احساس، اس کے زورِ بیان اور محبت بھرے دل کی مظہر ہے۔ وہ لکھتا ہے۔

''جب مجھے گرفتار کر کے جیل میں لایا گیا تھا تو اس وقت میں ۱۸ سال کا تھا۔ حکومت نے میرے خلاف جو ریکارڈ تیار کیا ہے۔ وہ دس مجرموں کے ریکارڈ کے برابر ہے۔ اس میں مجھے چور، ڈاکو، نقب زن، جواری، وحشی نشے کا عادی، کمیونسٹ، انقلابی اور قاتل قرار دیا گیا ہے...... ایک ظالم معاشرے میں ایک غلام کی حیثیت میں پیدائش اور ہر خوش فہمی کے دور ہو جانے کے تجربات نے مجھے اسی ترقی پسندانہ مگر اذیت ناک تجربے سے دوچار کیا ہے جس سے مجھ ایسے بے شمار سیاہ فام نوجوان کرتے ہیں جن پر مختلف جرائم کا الزام لگایا جاتا ہے۔''

ایک اور خط میں وہ موت کے ہر وقت مسلط رہنے والے خطرے کے بارے میں کہتا ہے ''مجھے اس سے غرض نہیں کہ میں کتنا عرصہ زندہ رہوں گا کہ اس پر میرا کوئی اختیار نہیں، مگر مجھے اس بات سے غرض ہے کہ یہ زندگی میں کیسے گذارتا ہوں کہ یہ میرے اختیار میں ہے۔ میں شاید آئندہ پانچ منٹ زندہ بھی رہ سکوں، مگر یہ پانچ منٹ یقیناً میری شرائط پر ہوں گے۔''

اپنی کتاب کے پبلشر کے نام ایک خط میں جیکسن اپنی زندگی کے واقعات کا ذکر کرتے ہوئے سفید فاموں سے پہلے تجربے کا یوں ذکر کرتا ہے۔

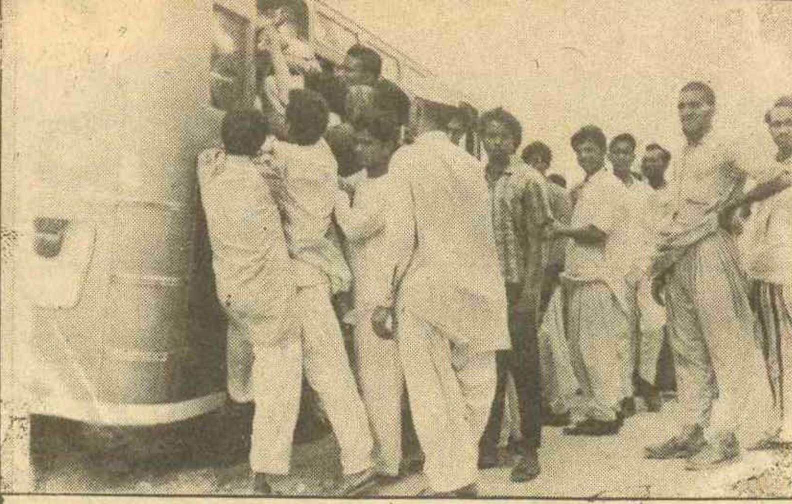
''کنڈر گارٹن میں سفید فام بچوں کو دیکھنے کا تجربہ بھی عجیب تھا۔ شاید اس سے قبل سفید بچے میں نے رسالوں میں دیکھے ہونگے مگر گوشت پوست کے سفید فام دیکھنے کا یہ پہلا اتفاق تھا۔ میں ایک کے پاس پہنچا اور بڑے اشتیاق سے اسے چھوا۔ اس کے بالوں کو، اس کے گالوں کو ہاتھ سے محسوس کیا۔ اور اس نے میرے سر پہ بیس بال کا بیٹ مارا اور میں کوڑے کے ایک ڈھیر کے قریب بیہوش حالت میں پایا گیا۔''

امریکی نظامِ تعلیم کے سیاہ فاموں کی شخصیت پر اثرات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے۔ ''میں جان چکا ہوں کہ کسی نوآبادیاتی صورتِ حال کے لوگ جو سب سے بڑی حماقت کرتے ہیں۔ وہ اپنے بچوں کو غالب دشمن ثقافت کے منظم کردہ تعلیمی اداروں میں بھیجنے کی حماقت ہے۔''

سیاہ فام انقلابی تحریک کے بارے میں لکھتا ہے۔ ''ہم نے سیاہ فام مجرمانہ ذہنیت کو سیاہ فام انقلابی ذہنیت میں بدلنے کی کوشش کی ہے۔ اور اسی لئے ہم میں سے ہر ایک اس نظام کے شدید ترین رجعت پسندانہ مظالم اور تشدد کا نشانہ بنا ہے۔'' سیاہ فاموں کی تحریکِ آزادی کے نئے انقلابی موڑ کے متعلق اس کا کہنا ہے۔ ''وہ لوگ جو مارکس، لینن اور ریجے کو پڑھتے ہیں۔ وہ فسادات نہیں کرتے، وہ دشمن کی قبریں کھودتے ہیں۔'' عدم تشدد کا فلسفہ کھوکھلا ہے اور یہ دشمن میں انصاف اور اچھائی کی صفات کو تسلیم کرتا ہے، جو احمقانہ ہے۔''

جیکسن اپنی ماں کے ایک خط (جس میں اس نے جیکسن سے انقلابی تحریک میں کم سرگرم ہونے کا کہا تھا) کے جواب میں لکھتا ہے۔ ''تم بوڑھی عورتوں کی طرح سوچ رہی ہو۔ تم نے مجھے ایک مرد پیدا کیا تھا۔ اور میں مردوں کی طرح اپنا قول اور فرض نبھاؤں گا۔ میں نے اپنا سب کچھ انقلاب کے لئے وقف کر رکھا ہے۔ آئندہ مجھے اس موضوع پر نہ لکھنا۔''

باقی صفحہ ۳۴ پر ملاحظہ فرمائیں



کراچی کی مصیبتیں

سڑکوں پر بے گناہ راہگیروں کا خون

۳۵۰ بسیں، ۴۵ مالک اور ۴ ہزار ماہانہ منافع

نعیم آروی

"کراچی ۱۱ نومبر، آج شہر میں مختلف مقامات پر ٹریفک کے پانچ حادثات میں ۲ افراد ہلاک اور پانچ شدید زخمی ہو گئے۔ ٹرام پٹے پر ایک تیز رفتار بس، دوسری بس سے آگے نکلنے کی کوشش میں بے قابو ہو گئی اور ایک سائیکل سوار کو کچل دیا۔ سائیکل سوار موقع پر ہی ہلاک ہو گیا۔ بولٹن مارکیٹ کے قریب ایک تیز رفتار بس سے گر کر ایک ضعیف شخص شدید زخمی ہو گیا اسے فوری طور پر سول اسپتال پہنچایا گیا جہاں اس کی حالت خطرناک بتائی جاتی ہے۔"

اس قسم کی خبریں روزانہ ہمارے مقبوضہ اخبارات میں شائع ہوتی ہیں، ہلاک اور زخمی ہونے والے مسافروں یا راہگیروں کی تصویریں بھی شائع ہوتی ہیں۔ سنگین حادثات کی صورت میں سرکاری سیاسی اور سماجی رہنماؤں اور کارکنوں کی طرف سے ہمدردی کے پیغامات بھی درج کئے جاتے ہیں اس قسم کی خبروں سے عوام میں ڈرائیوروں اور کنڈکٹروں کے خلاف نفرت اور بدگمانی کا پیدا ہونا ایک لازمی امر ہے، درحقیقت اس قسم کے حادثات کی صورت میں ڈرائیورس اور کنڈکٹروں پر براہ راست ذمہ داری عاید ہوتی ہے۔ انہیں ایسے کسی سنگین حادثہ سے بری الذمہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔ کیونکہ زیادہ تر حادثات تیز رفتاری اور بسوں کے درمیان مقابلہ بازی کی صورت میں جنم لیتے ہیں۔ گذشتہ ہفتے، کراچی میں تو ایک ایسا المناک حادثہ رونما ہوا جس نے شہریوں کو ہلا کر رکھ دیا۔ ایک بس کے ڈرائیور اور کنڈکٹر نے مبینہ طور پر انتہائی شقی القلبی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک نوجوان طالب علم کو بس کے نیچے کچل کر ہلاک کر دیا بلاشبہ ٹریفک کے ایسے اور بے شمار حادثات کی ذمہ داری ڈرائیور اور کنڈکٹر پر عائد ہوتی ہے۔

اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ڈرائیور اور کنڈکٹر بے حس، وحشی مخلوق سے تعلق رکھتے ہیں کہ ایسے المناک حادثات پر ان کا دل نہیں کڑھتا، ان کا ضمیر ملامت نہیں کرتا۔ کیا ان کے دل میں اپنے جیسے انسانوں سے ہمدردی اور محبت کا جذبہ موجود نہیں ہوتا۔ آخر وہ کس چیز کے تحت ہیں کہ محض مقابلہ بازی اور تیز رفتاری کے جنون میں کئی معصوم اور بے گناہ راہگیروں کو اپنی گاڑی کے بے رحم پہیئے تلے کچل کر ان کی روشن زندگی کا چراغ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بجھا دیتے ہیں، آخر وہ کس پاگل جذبے کے تحت کئی گھروں میں وقت سے پہلے موت کا بھیانک سناٹا اور کسمپرسی کی تاریکی پھیلا دیتے ہیں اگر وہ انسان ہیں، اسی برادری سے تعلق رکھتے ہیں، ان کا دل بھی غموں کے انبار سے کراہتا اور خوشیوں سے جھومنے لگتا ہے تو پھر وہ کیا اسباب ہیں کہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہی وہ اپنی بیوی اور بچوں کو یکسر فراموش کر دیتے ہیں اور شاہراہوں پر موت کا بھیانک کھیل کھیلنے پر مصروف ہو جاتے ہیں؟

بلاشبہ ہم ڈرائیوروں اور کنڈکٹروں کو اس قسم کے حادثات کی صورت میں معصوم قرار نہیں دے سکتے۔ لیکن سڑکوں پر موت کے اس بھیانک کھیل میں صرف ڈرائیور اور کنڈکٹر ہی نہیں ہیں کچھ اور کردار بھی ہیں، چند دوسرے اسباب بھی ہیں، اگر ہمارا ہاتھ اس قسم کے سنگین حادثات کے پس منظر میں کام کرنے والے اصل کرداروں تک نہ پہنچا، اگر ہم نے انہیں بے نقاب نہ کیا اور اصل اسباب منظر عام پر لانے میں کامیاب نہ ہوئے تو ہزار کوششوں کے باوجود سڑکوں پر موت کا یہ بھیانک کھیل نہ رک سکے گا، یہ کھیل جاری رہے گا۔ پاکستان کے سینے پر پھیلی ہوئی عظیم شاہراہوں پر موت اسی انداز میں رقص کرتی رہے گی اور سڑکوں پر بے گناہ راہگیروں کے خون کے چھینٹے اڑتے رہیں گے۔

مقابلہ بازی اور تیز رفتاری کی اصل وجہ

یہ بات تقریباً طے شدہ ہے کہ کراچی کی سڑکوں پر زیادہ تر حادثات تیز رفتاری اور مقابلہ بازی کی وجہ سے رونما ہوتے ہیں اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس اندھا دھند "تیز رفتاری" اور "مقابلہ بازی" سے ڈرائیوروں اور کنڈکٹروں کو کیا فائدہ پہنچتا ہے۔ اگر فائدہ انہیں نہیں پہنچتا تو پھر کسے پہنچتا ہے۔؟ یہ سوال اس لئے بھی اہم ہے کہ بسوں کے درمیان مقابلہ اور تیز رفتاری کے پیچھے دراصل زیادہ سے زیادہ مسافروں کو اپنی گاڑی میں بھرنے کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے، زیادہ مسافر اٹھانے والی بسیں مالکان کو زیادہ منافع دیتی ہیں، جہاں کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ منافع کمانے کا جذبہ موجود ہو گا۔ وہاں المناک حادثات کا جنم لینا ایک یقینی امر ہے۔ اگر ہمارا ہاتھ ڈرائیوروں اور کنڈکٹروں تک

پہنچ سکتا ہے تو ہمارے ہاتھوں کی رسائی ان بس مالکان یعنی ٹٹ پونجیے سرمایہ داروں کے گریبان تک بھی ہو سکتی ہے، جن کی منافع خوری اور ہوس زر کے سبب کراچی کی طول طویل شاہراہوں پر ٹریفک کے المناک حادثے ہوتے ہیں، بس مالکان کی ہر ممکن یہی کوشش ہوتی ہے کہ "اور لوڈنگ"، اور ٹیکنگ سگنلوں کو توڑ کر، قانون کی دھجیاں اڑا کر، مسافروں اور راہگیروں کی زندگی سے کھیل کر، جس طرح بھی ممکن ہو زیادہ سے زیادہ رقم حاصل کی جائے — مالکان کے حسب منشاء رقم نہ دینے والے ڈرائیوروں اور کنڈکٹروں سے غیر انسانی سلوک کیا جاتا ہے، اور بعض اوقات انہیں جسمانی تشدد کا نشانہ بنا کر ملازمت سے علیحدہ کر دیا جاتا ہے

ڈرائیور اور کنڈیکٹر مالکان کے رحم و کرم پر

ڈرائیور اور کنڈکٹر اپنی ملازمت کو برقرار رکھنے کے لئے کلی طور پر بس مالکان کے رحم و کرم پر ہوتے ہیں۔ انہیں کوئی قانونی اور اخلاقی تحفظ حاصل نہیں ہے۔ بس مالکان کی خوشنودی پہ ان کی ملازمت چلتی ہے۔ جس دن یہ خوشنودی، ناراضگی میں تبدیل ہوئی، اسی دن انہیں ملازمت سے چھٹی مل جاتی ہے۔ بس مالکان عام طور پر ایسے ڈرائیوروں اور کنڈکٹروں سے زیادہ خوش رہتے ہیں، جو انہیں زیادہ روپیہ کما کر دیتے ہیں، ان کا یہ اولین فرض ہوتا ہے کہ وہ مالکان کی منشا کے مطابق کیش فراہم کریں، بصورت دیگر انہیں ملازمت سے برطرفی کی سزا بھگتنی پڑتی ہے۔ یہاں اس بات کا یہ تکلیف دہ انکشاف بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ کراچی کی چند اہم روٹوں پر پرائیویٹ بسوں کے چند ایسے مالکان کی اجارہ داری ہے، جو انتظامیہ اور سرکاری حلقوں میں خاصہ گہرا اثر رکھتے ہیں۔ حادثات کی صورت میں ان کی بسیں چند گھنٹوں کے بعد پولیس کنٹرول سے نکل کر دوبارہ سڑکوں پر دندناتے لگتی ہیں، وہ اپنے ڈرائیور کو یہی مشورہ دیتے ہیں۔

"تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ قانون میری جیب میں ہے۔ بس تم زیادہ سے زیادہ کیش لانے کی فکر و، باقی سب میں دیکھ لوں گا۔" ڈرائیور اور کنڈکٹر کو اپنے مالک کے اثر و رسوخ کا پتہ ہوتا ہے۔ اسے اپنی ملازمت بھی برقرار رکھنے کی فکر ہوتی ہے اور اسے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کسی حادثے کی صورت میں ان کی ضمانت میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ چنانچہ وہ سارے اندیشوں سے بے پروا ہو کر اور زیادہ سے زیادہ کیش لانے کے خیال میں مگن سڑکوں پر بے تحاشہ گاڑیاں دوڑاتے ہیں۔ اس شہر میں آپ کو چند ایسے ڈرائیور اور کنڈکٹر بھی ملیں گے۔ جن کی پیٹھوں پر چوٹ کے نشانات ہیں۔ ان کا قصور بس اتنا ہے کہ وہ اپنے ٹرانسپورٹر کی منشا کے مطابق کیش نہیں لاتے تھے۔ انہوں نے قانون کی دھجیاں اڑا کر سڑکوں پر موت کا کھیل جاری رکھنے سے

ڈرائیور اور کنڈکٹر بھی مشین کے

انکار کر دیا تھا۔ انہیں دوسری ٹرانسپورٹ کمپنی میں بھی ملازمت نہ ملی اور وہ ابھی تک دربدر کی خاک چھانتے پھر رہے ہیں۔ بس مالکان کو ملازمت چھوڑ کر جانے والے کنڈکٹروں اور ڈرائیوروں کے بارے میں بھی زیادہ فکر نہیں ہوتی۔ کیونکہ انہیں اس سے کم تنخواہ پر فوری طور پر کنڈکٹر اور ڈرائیور دستیاب ہو جاتے ہیں۔

پرائیویٹ بسوں کے کنڈکٹروں اور ڈرائیوروں کی تنخواہ

سرکاری اسکیل

کنڈکٹر	۱۴۹ روپے ۵۰ پیسے
ڈرائیور	۲۲۵ روپے ۵۰ پیسے

پرائیویٹ بس مالکان کا مقرر کردہ اسکیل۔

کنڈکٹر	۱۲۰ روپے
ڈرائیور	۱۸۰ روپے

اوقات کار

کنڈکٹروں اور ڈرائیوروں سے ۲۴ گھنٹے ڈیوٹی لی جاتی ہے جس کا کوئی اوور ٹائم نہیں دیا جاتا۔ حالانکہ قانونی طور پر اوور ٹائم کا ضابطہ موجود ہے۔ اوقات کار کی وضاحت اس صورت میں کی جا سکتی ہے۔ کوئی کنڈکٹر اور ڈرائیور صبح دس بجے ڈیوٹی پر چڑھتا ہے تو وہ دوسرے دن صبح دس بجے تک ڈیوٹی انجام دیتا ہے۔ پھر ۲۴ گھنٹے کی چھٹی ملتی ہے۔ اس طرح ان کی ڈیوٹی کا وقت بارہ گھنٹے بنتا ہے۔ اس کے علاوہ کیش دینے اور حساب کتاب میں مزید دو گھنٹے لگ جاتے ہیں۔ پھر صبح ڈیوٹی لینے کے لئے بھی دو گھنٹے پہلے جانا پڑتا ہے۔ اس طرح ڈیوٹی کے اوقات کل ۱۶ گھنٹے بنتے ہیں۔

کنڈکٹروں اور ڈرائیوروں کی ڈیوٹی کے یہ اوقات اپنی جگہ خود حادثات کی بڑی وجہ ہیں۔ جو ڈرائیور ۲۴ گھنٹے اسٹیرنگ پر جما رہے گا اس کے اعصاب کی حالت کیا ہوگی آنکھیں اور جسم کے دوسرے اعضا کو چاق و چوبند رکھنے کے لئے اسے کیا کیا ترکیب استعمال نہ کرنی پڑتی ہوگی۔ اور پھر زیادہ سے زیادہ کیش لانے کی فکر اسے الگ سے پریشان رکھتی ہے۔ ایسی صورت حال میں اس کے ہاتھوں کسی مسافر یا بے گناہ راہگیر کی زندگی کا چراغ گل ہو جانا ایک المناک حادثہ تو ہے مگر حیرت انگیز نہیں

کنڈیکٹروں اور ڈرائیوروں کے دیگر مسائل

سرکاری قانون کے مطابق انہیں ہفتہ واری اور سالانہ چھٹیاں ملنی چاہئیں، مگر انہیں کوئی چھٹی نہیں ملتی۔ گرمی اور سردی کے موسم میں انہیں وردی بھی نہیں دی جاتی۔ حالانکہ وردی دینے کا ضابطہ بھی موجود ہے۔ چھٹی کرنے پر پیسے کاٹ لئے جاتے ہیں۔ ٹریفک اور تھانوں کی پولیس انہیں الگ پریشان کرتی ہے وردی نہ ہونے پر ان کا چالان کر دیا جاتا ہے۔ بعض اوقات ان کا لائسنس معطل کر دیا جاتا ہے۔ لائسنس کی دوبارہ بحالی کے لئے ساری بھاری بھاگ دوڑ ڈرائیور اور کنڈکٹر کو کرنی پڑتی ہے۔ بس مالکان اس میں کوئی مدد نہیں کرتے، سب سے زیادہ تکلیف دہ بات یہ ہے کہ انہیں مقررہ وقت پر تنخواہ نہیں دی جاتی۔ کراچی کے ایک ڈرائیور (اس نے اپنا نام ظاہر کرنے سے منع کر دیا) نے بتایا کہ "یاد نہیں کہ آج تک اسے کبھی وقت پر تنخواہ دی گئی ہو" اس نے گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ایک مرتبہ اس کی آٹھ ماہ کی بچی سخت بیمار پڑ گئی۔ ڈاکٹر نے قیمتی انجکشن اور دوا لانے کی ہدایت کی، اس کے پاس پیسے نہیں تھے۔ نہ ہی دوستوں سے مل سکے، اس نے بس کے مالک کو درخواست دی، مالک نے اسے بلا کر خوب ڈانٹ پھٹکار کی اور چلتے چلتے کہا۔ شراب کی حاجت پوری کرنے کے لئے اپنی بچی کی بیماری کا بہانہ بنا کر مجھے بے وقوف نہیں بنا سکتے بھاگ جاؤ۔ ڈرائیور نے بتایا۔ تیسرے دن اس کی بچی اللہ کو پیاری ہو گئی۔" اس کی آنکھیں کہیں کھو گئیں تھیں۔ اس نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا، مسافر ہمارے بارے میں اچھی رائے نہیں رکھتے ہمیں خراب آدمی سمجھتے ہیں۔ اور یہ بھی سمجھتے ہیں کہ ہم بہت پیسہ کماتے ہیں اور سب فضول باتوں پر اڑا دیتے ہیں۔ لیکن یقین کیجئے سارے ڈرائیور اور کنڈکٹر ایسے نہیں ہوتے۔ اچھے برے کہاں نہیں ہوتے۔ ہم جو کچھ کماتے ہیں۔ وہ سب سیٹھ کی کبھی نہ بھرنے والی جھولی میں ڈال دیتے ہیں۔ ہمارے پاس تو اتنے بھی پیسے نہیں ہوتے کہ ہم اپنے بچوں کو تعلیم دلا سکیں، اچھا پہن سکیں اور اچھا کھا سکیں۔ حالات سے ہم اسی طرح متاثر ہوتے ہیں، جس طرح معاشرہ کے عام آدمی متاثر ہوتے ہیں"۔

میں نے ایک اور ڈرائیور سے اس کے بارے میں سوال کیا تو بڑے غصیلے لہجے میں کہا۔ "اڑے سب لوگ ہم کو برا بولتا ہے۔ (گالی) — اس موٹی توند والے سیٹھ کو کچھ نہیں بولتا جو سالا اپن لوگوں کو حیوان سمجھتا ہے۔ اور خالی کیس۔ کیس منگتا ہے۔

...پرزے بن گئے ہیں

اب بولو نہ کیبس کا خاطر گاڑی بھرے گا نہیں، نیز نہیں چلائے گا تو کیا— (گالی)

ایک دوسرے قدرے پڑھے لکھے ڈرائیور نے بتایا کہ ایک بس مالک کا ماہانہ منافع تقریباً چار ہزار روپے ہے پرائیویٹ بسوں کی تعداد تقریباً ۲۵۰ ہے. جب کہ مالکان کی تعداد صرف ۵۸ ہے. شہر کی اہم سڑکوں پر چند مالکان کی اجارہ داری ہی یہ گل کھلا رہی ہے. بس مالکان کو کسے بغیر حادثات میں کمی نہ ہوگی"

پرائیویٹ بس کے ایک کنڈکٹر نے انکشاف کیا کہ بس مالکان کی طرف سے پولیس کے بعض افراد کے "ماہانے" بندھے ہیں، یہ ماہانے ہر ماہ ۵۰ تا ۱۰۰ روپے فی بس کی صورت میں وصول کئے جاتے ہیں. ٹریفک کے بعض کانسٹیبل فی ہفتہ ۲ روپے وصول کرتے ہیں. ان ماہانے کی وصولیابی کے باوجود سپاہی اور افسر ڈرائیوروں اور کنڈکٹروں پر ناجائز دباؤ ڈالتے رہتے ہیں. بس مالکان پولیس کی ان زیادتیوں اور نقد وصولی کا بدلہ ہم غریبوں سے لیتے ہیں. ان میں زیادہ کمیشن لانے کا مطالبہ سب سے اہم اور سب سے تکلیف دہ ہوتا ہے بعض اوقات تو مالکان کی ڈانٹ پھٹکار سے طبیعت میں اس قدر جھنجھلاہٹ آجاتی ہے کہ بس یہی جی چاہتا ہے کہ اس ملازمت پر لعنت بھیج کر آدمی کہیں اور نکل جائے. مگر پھر مالکان کا اثر و رسوخ روٹوں پر ان کی اجارہ داری اور بیکاری کے خوف کے سامنے سارا غصہ ریت کے محل کی طرح زمین پر بیٹھ جاتا ہے". اس نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا: "ان تمام تلخیوں کو سمیٹے جب ڈرائیور ڈیوٹی پر آتا ہے تو اسے دوسری مصیبت کا سامنا کرنا پڑتا ہے. یہ مصیبت بس کے مسافروں کا ناروا سلوک اور ان کا "نادان رویہ" ہے. جی ہاں! میں نے اس رعایت لفظی کا استعمال جان بوجھ کر کیا ہے. میں بھی ڈیوٹی کے علاوہ بس کا مسافر ہوتا ہوں. مجھے اس بات کا احساس ہے کہ مسافر اس تکلیف دہ صورت حال سے پریشان ہو کر ڈرائیور اور کنڈکٹر کو برا بھلا کہتے ہیں. کنڈکٹر اور ڈرائیور مسافروں کی عجلت، پریشانی اور مالکان کے کمیشن لانے کے مطالبے کے درمیان پستے رہتے ہیں، میں کیا بتاؤں کہ چکی کے ان دو پاٹوں کے درمیان ان کی کیا درگت بنتی ہے. ایسی حالت میں بس چلانے والے ڈرائیور اور کنڈکٹر سے کس بات کی توقع نہیں کی جاسکتی"!

"وہیکلز انسپکٹر کے کارنامے"

وہیکلز انسپکٹر کی یہ ڈیوٹی ہوتی ہے کہ وہ ناقص گاڑیوں اور غلط وہیکلز کو پاس نہ کرے: تاکہ شہریوں کی جان و مال محفوظ رہے. مگر ہوتا کیا ہے. پچاس روپے کی حقیر رقم کے عوض ناقص گاڑیاں "فٹ" ہونے کا سرٹیفکیٹ حاصل کر کے سڑکوں پر نکل آتی ہیں. انہیں اس سے کوئی مطلب نہیں کہ گاڑی دھواں چھوڑتی ہے، ٹائر پرانے ہیں یا بریک کمزور ہے. بعض اوقات تو مالکان اپنی گاڑیوں کی چیکنگ تک گوارا نہیں کرتے. انہیں گھر بیٹھے "سب ٹھیک" کا سرٹیفکیٹ مل جاتا ہے. پچھلے دنوں کسی نے اوپر سے شکایت کی تو معاملہ کچھ سخت ہوگیا. اب اس دھندے میں پچاس کی بجائے ایک سو روپے خرچ کرنے پڑتے ہیں.



رقم دیجئے اور ہر قانون کو توڑ دیجئے

آر، ٹی، اے کی کارکردگی

یہاں سے روٹ پرمٹ جاری کئے جاتے ہیں. اس کا طریقہ کار بھی نرالا ہے. بعض اطلاعات کے مطابق یہ ادارہ اپنے فرائض بحسن خوبی انجام دینے میں ناکام رہا ہے. کہا جاتا ہے کہ اس پر چند بس مالکان کا سایہ پڑا ہوا ہے. اقربا پروری اور رشوت ستانی کا دور دورہ ہے. اس محکمے پر بھی چند با اثر افراد کی اجارہ داری ہے. صرف ۲ سو روپے میں روٹوں کے پرمٹ جاری کر دیئے جاتے ہیں. جرمانے کی رسیدوں میں بھی گھپلے سے نہیں چوکتے. بعض اہم روٹوں پر خاص خاص لوگوں کو روٹ پرمٹ دے کر ان کی مکمل اجارہ داری قائم کر دی گئی ہے. اس طرح ان روٹوں پر مالکان کی مرضی کے مطابق ان کے خاص ڈرائیور اور کنڈکٹر گاڑیاں چلاتے ہیں. اگر عوام چیختے چلاتے ہیں تو ان کے ساتھ غنڈہ گردی اور مار پیٹ کی جاتی ہے.

پرائیویٹ بس کے ایک ڈرائیور نے حادثات کے متعلق ایک دلچسپ انکشاف کیا. "نااہل اور اناڑی قسم کے ڈرائیوروں اور کنڈکٹروں سے رشوت لے کر گاڑی چلانے کا لائسنس دے دیا جاتا ہے. اس قسم کے اناڑی ڈرائیور اور کنڈکٹر عام طور پر اجارہ دار بس مالکان کے خاص رشتہ دار اور "آدمی" ہوتے ہیں اگر ڈرائیوروں اور کنڈکٹروں کی اہلیت اور صلاحیت کو دیکھ کر لائسنس دیا جائے تو حادثات گھٹ کر نصف رہ جائیں گے مگر یہاں کا تو باوا آدم ہی نرالا ہے، لائٹ وہیکلز کے لئے صرف ۱۵۰ روپے اور ہیوی وہیکلز کے لئے ۳۰۰ روپے دیجئے. اور لائسنس حاصل کر لیجئے، اب آپ خود ہی اس بات کا اندازہ لگائے کہ کراچی جیسے گنجان اور مصروف شہر کی سڑکوں پر مسافروں سے بھری ہوئی بس کو چلانے والا ایک اناڑی قسم کا ڈرائیور ہوگا تو پھر کیا کیا تماشہ نہ ہوگا. کیسے کیسے حادثے نہ ہوں گے. ان کی بلا سے کوئی مر جائے. کوئی زندگی بھر کے لئے اپاہج بن جائے. خاندان کے خاندان اجڑ جائیں — رشوت ہمارے یہاں کی سب سے بڑی لعنت ہے. ہمارے معاشرے کی جڑیں کھوکھلی ہوتی جارہی ہیں خدا رحم کرے پاکستان پر"۔

ہائی وے کی چند بسوں کے ڈرائیوروں اور کنڈکٹروں سے گفتگو کرنے کا موقع ملا. انہوں نے میرے ایک سوال کا جواب دیتے

تنخواہ وقت پر مل جائے تو بہت بڑی بات ہے

ہوئے بتایا "سارے کنڈکٹر اور ڈرائیور جھگڑالو نہیں ہوتے۔ البتہ بعض بسوں میں جو کنڈکٹر رکھے گئے ہیں، ان کے پاس نہ تو لائسنس ہے۔ اور نہ تجربہ، چونکہ وہ مالکان کے رشتہ دار یا قریبی آدمی ہوتے ہیں، اس لئے وہ مسافروں سے بدتمیزی کرتے یا انہیں مارنے پیٹنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ مالکان اس قسم کے جھگڑالو اور تندخو ڈرائیور اور کنڈکٹر کو اس لئے رکھتے ہیں تاکہ وہ ان کی مرضی کے مطابق بسیں چلائیں۔ زیادہ سے زیادہ کیش دیں۔ دوسری طرف مالکوں کو ڈرائیور اور کنڈکٹر کی تنخواہیں بھی بچانے کا موقع مل جاتا ہے شہر کی سڑکوں پر دوڑنے والی بسوں کا بھی یہی حال ہے۔"

آخر ان مشکلات کا کب حل ہوگا

موجودہ ٹرانسپورٹ سسٹم میں مندرجہ ذیل مشکلات درپیش ہیں۔

- حادثات میں روز افزوں اضافہ۔
- اوور لوڈنگ اور اوور ٹیکنگ۔
- بعض روٹوں پر مسافروں کی تعداد کے مقابلے میں بسوں کی کم تعداد۔
- ڈرائیوروں اور کنڈکٹروں کی ملازمت عدم تحفظ کا شکار ہے۔ انہیں وقت پر تنخواہ نہیں ملتی۔ اوور ٹائم لیا جاتا ہے۔ مگر اس کی اُجرت نہیں دی جاتی۔ یہ برادری دیگر دوسری مراعات سے بھی محروم ہے۔
- چند روٹوں پر چند مالکان بس کی مکمل اجارہ داری ہے۔
- اناڑی اور نااہل قسم کے کنڈکٹروں اور ڈرائیوروں کو لائسنس دے دیا جاتا ہے۔
- رشوت کے ذریعے روٹ پرمٹ اور لائسنس کا اجراء۔
- متعلقہ حکام کی غفلت اور لاپروائی۔
- ٹریفک قوانین اور ضابطے کی پابندی سے انحراف۔
- مسافروں کے ساتھ بعض کنڈکٹروں اور ڈرائیوروں کا غیر انسانی سلوک۔ مسافروں کو فحش گالیاں دی جاتی ہیں۔ اور بعض اوقات بری طرح زدوکوب بھی کیا جاتا ہے۔

ابھی حال ہی میں کراچی کی ایک مشہور ٹرانسپورٹ کمپنی کے ڈرائیور اور کنڈکٹر نے ایک نوجوان طالب علم کو بہیمانہ طریقے سے گاڑی کے پہیئے کے نیچے کچل کر ہلاک کر دیا۔ آج سے تقریباً آٹھ نو سال قبل فیڈرل ایریا میں بھی اسی قسم کا ایک المناک حادثہ گذرا تھا جس میں اسٹیٹ آفس کے ایک نوجوان کلرک پر بس دوڑا کر ہلاک کر دیا گیا تھا۔

یہ ہیں موجودہ ٹرانسپورٹ سسٹم کے چیدہ چیدہ تلخ حقائق جن کی وجہ سے کراچی اور پاکستان کے دیگر شہروں میں ٹریفک کے المناک حادثوں میں برابر اضافہ ہو رہا ہے۔ اگر ان واقعات کا تدارک ابھی سے نہ کیا گیا تو یقین رکھیئے چند سالوں کے بعد کراچی کی سڑکیں، انسانی لہو سے سرخ ہو جائیں گی، لوگ بسوں میں سفر کرنا چھوڑ دیں گے۔ اور پھر ایسا بھی ہو گا۔ جسے خودکشی کرنی ہو گی وہ بس میں سوار ہو جائے گا۔ اور آرام سے اس کی خواہش پوری ہو جائے گی۔

اخبارات میں ان مسائل کے حل کے لئے متعدد بار تجاویز اور سفارشات پیش کی گئیں، لیکن یہ ساری باتیں اُوپر کی ہیں۔ کچھ لوگ گلے پھاڑ پھاڑ کر چلاتے ہیں کہ قانون پر سختی سے عمل درآمد کرایا جائے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ قانون پر سختی سے عمل درآمد کون کرائے گا۔ اور کیسے کرائے گا۔؟ پہلے اس اہم سوال کا جواب تلاش کر لیا جائے۔ پھر جا کر اس پر عمل درآمد کی نوبت آئے گی، روٹوں پر چند مالکان بس کی اجارہ داری اور ٹھیکیداری ختم کی جائے۔ رشوت کے بازار کا طلسم توڑا جائے۔ کنڈکٹروں اور ڈرائیوروں کی ملازمت کا تحفظ کیا جائے۔ پھر جا کر اس مسئلے کے حل کی راہیں کھلیں گی مگر سوال تو یہ ہے کہ یہ سب تبدیلیاں لائے گا۔ کون۔؟ کیا ہماری نوکر شاہی اور سرمایہ دار ٹرانسپورٹ سسٹم میں انقلاب آفریں تبدیلیوں کے متحمل ہو سکتے ہیں۔ ؟

کیا وہ اپنی سازشوں اور ریشہ دوانیوں سے ایسی کسی انقلابی تبدیلی کو سبوتاژ نہ کر دیں گے۔؟

لاہور میں



طاہر نیوز ایجنسی
اُردو بازار سے طلب کریں

روپیہ بچانا
اب وقت کی اہم ترین
ضرورت ہے
ملک کو آپ کی بچت کی پہلے
سے بھی زیادہ ضرورت ہے

روپیہ بچائیے
کل کام آئیگا۔
حبیب
بینک
پاکستان میں ۷۵۰ سے زائد شاخیں

زاہد ملک

ٹاڈوٹی

نسرین کی پراسرار گمشدگی کے بعد اب پروین پہلی شفٹ میں کام کرتی تھی۔ صبح ۸ بجے سے لے کر شام کے پانچ بجے تک۔ جب پہلا سائرن بجتا تو آس پاس کی جھونپڑیوں سے مزدور فیکٹری کی طرف بوجھل بوجھل قدموں سے چل پڑتے۔ فیکٹری جھونپڑیوں سے کوئی ایک آدھ میل دور ہوگی جو مزدور دور دراز کے علاقوں سے بسوں سے آتے وہ سائرن بجنے سے پہلے ہی فیکٹری پہنچ جاتے اور دوسرا سائرن بجنے اور بڑے دروازے کے کھلنے کا انتظار کرتے۔ بسوں سے آنے والے مزدوروں کو ہمیشہ یہ ڈر لگا رہتا کہ اگر کسی وجہ سے بس دیر سے پہنچی تو غیر حاضری لگے گی جس کا مطلب یہ ہے کہ نوے روپے میں تین روپے کم ہو جائیں گے، لہٰذا بسوں سے آنے والے مزدور صبح چھ بجے ہی گھر سے نکل پڑتے اور اکثر پہلا سائرن بجنے سے پہلے ہی بڑے گیٹ کے آس پاس آ بیٹھتے بعض نوجوان مزدور بڑے گیٹ کے پاس رشید پان سگریٹ والے کے کیبن کے سامنے جا کھڑے ہوتے اور ریڈیو سنتے۔ پٹھان مزدور نسوار کی ایک چٹکی نچلے ہونٹ اور نچلے دانتوں کے درمیان رکھتے۔ تھوک لگی انگلی اور انگوٹھے کو کرتے سے مل دیتے نسوار کی ڈبیہ کے ڈھکنے پر لگے شیشے میں اپنا چہرہ دیکھتے اور ادھر ادھر تھوکنے میں مصروف ہو جاتے لیکن جو مزدور فیکٹری کے قریب ہی جھونپڑیوں میں رہتے وہ پہلا سائرن بجنے پر گھر سے نکلتے اور اپنے ڈھیر سارے بچوں اور غموں کے ڈھیر کو گھروں میں چھوڑ کر فیکٹری کی طرف چل پڑتے یہی سلسلہ دوسری اور تیسری شفٹ کے وقت چلتا۔

پروین پہلی شفٹ میں کام کرتی تھی۔ اس کی بڑی بہن نسرین بھی پہلی شفٹ میں کام کرتی تھی۔ باپ بڑھاپے کی جھریوں اور کئی ایک بیماریوں کو سمیٹے چارپائی پر پڑا کھانستا رہتا۔ اس کے گال اندر کی طرف پچک گئے تھے اور داڑھی کے بال بے ترتیبی سے بڑھے رہتے بیوی کی موت اور دونوں جوان بیٹوں کے بوجھ نے اسے پاگل کر رکھا تھا وہ دن رات ٹکٹکی باندھ کر چھت کی طرف دیکھتا رہتا اور کچھ سوچتا رہتا۔ جب تک صحت مند تھا تو اسی فیکٹری میں کام کرتا تھا۔ اسی فیکٹری میں اس کی جوانی کا سورج غروب ہوا اور بڑھاپے کی سرد رات کا آغاز ہوا جب بڑھاپے کے سائے بڑھنے لگے تو ایک دن اچانک فیکٹری والوں نے کہا "بڑے میاں کل سے کام پر نہ آنا۔ اب ہمیں تمہاری ضرورت نہیں رہی"۔ آس پاس کی جھونپڑی والوں نے سمجھایا کہ "رمضان بڑی بیٹی کو فیکٹری میں پیکنگ کے کام پر لگوا دو" لیکن اس کی غیرت اور خودداری نے یہ مشورہ قبول نہ کیا۔ لوگوں نے کہا "رمضان اس میں حرج ہی کیا ہے۔ سینکڑوں لڑکیاں فیکٹری میں کام کرتی ہیں۔ جھونپڑیوں سے بھی کئی ایک لڑکیاں کام پر جاتی ہیں شفیع کو دیکھو خود بھی کام کرتا ہے اور اس کی بیوی بھی کام کرتی ہے"۔ لیکن رمضان کو یہ مشورہ پسند نہ آیا۔ اس نے کہا "بے شک غریبی میرا جرم ہے لیکن اس کے باوجود میں عزت دار ہوں۔ میری بچی کمائے اور میں کھاؤں نہیں نہیں یہ نہیں ہو سکتا"۔ وقت گزرتا گیا۔ دو دن چار دن آٹھ دن اور پھر نو دن غریبی اور غیرت میں جنگ ہوتی رہی دسویں دن جب چولہا نہ جلا تو رمضان کے دماغ نے کام کرنا چھوڑ دیا۔ اس نے بڑی بیٹی کو بلایا اور کہا "دیکھو بیٹی، فیکٹری میں کام کرنے والے سب اپنے بہن بھائی ہیں، پھر لڑکیاں تو علیحدہ ہال میں کام کرتی ہیں۔ کس کی مجال جو ہماری بیٹی کو کچھ کہے۔ بیٹی تم ملازمت کیوں نہیں کر لیتی"۔ نسرین پہلی شفٹ میں کام کرنے لگی۔

اب پروین پہلی شفٹ میں کام کرتی تھی۔ صبح ۸ بجے سے لے کر شام کے پانچ بجے تک جب پہلا سائرن بجتا تو وہ گھر سے نکل پڑتی بوڑھے باپ اور اس کی بن بستر کی ٹوٹی ہوئی چارپائی کو گھر چھوڑ کر فیکٹری کی طرف چل پڑتی۔ جو مزدور بسوں سے آتے وہ پہلے ہی فیکٹری کے بڑے دروازے کے آس پاس بیٹھے ہوتے۔ جب دوسرا سائرن بجتا تو سب مزدور فیکٹری میں داخل ہو جاتے اور بڑا دروازہ بند ہو جاتا لیکن نسرین کہاں چلی گئی؟ اس سوال کا کسی کے پاس جواب نہ تھا۔ ایک دن جب وہ فیکٹری بند ہونے کے بعد گھر نہ پہنچی تو جھونپڑیوں کی بستی میں شور سا مچ گیا پولیس کو بھی اطلاع دی گئی لیکن کچھ پتہ نہ چل سکا بستی میں طرح طرح کی افواہیں تھیں۔ کوئی شک کرتا تو کس پر۔ فیکٹری کے مینیجر نے پروین کو تلاش کرنے میں خصوصی دلچسپی کا اظہار کیا۔ لیکن سب کوششیں رائیگاں گئیں۔ بعض لوگوں نے مینیجر پر شک کیا کیونکہ بقول ان کے ایک دفعہ مینیجر خود اپنی کار میں پروین کو اس کے گھر تک چھوڑنے آیا تھا۔

اب پروین پہلی شفٹ میں کام کرتی تھی۔ وہ پہلا سائرن بجنے پر گھر سے نکلتی تو جلدی میں بالوں کو سلجھا بھی نہ سکتی۔ ایک دو لٹ اس کے چہرے پر پڑی رہتی سر کو بار بار بے خیالی میں ہلکا سا جھٹکا دینا اور لٹوں کو چہرے سے

ہنسنا اس کی عادت سی بن گئی تھی۔ امیری ہو یا غریبی جوانی کا اپنا رنگ ہوتا ہے پروین کی عمر ہی کیا تھی، بیس سال ہیں بھی چند ماہ کم۔ یہی وجہ تھی کہ وہ ہر کام بڑی تیزی اور چستی سے کرتی۔ پیکنگ کا جتنا کام دو لڑکیاں کرتیں اتنا کام وہ اکیلی ہی کر لیتی۔ دن بھر کام کر کے اس کا جسم سڈول ہو گیا۔ اعضاء میں تناؤ سا پیدا ہو گیا۔ جسم کے اتار چڑھاؤ بڑے واضح ہو گئے۔ اور یوں لگتا جیسے اس کی قمیض بس پھٹنے ہی والی ہے۔ لیکن وہ اپنے جسم میں اس تبدیلی سے بے خبر اپنے کام میں مصروف رہتی۔ اسے اس امر کا احساس تک نہ تھا کہ کئی لوگ اسے میلی نظر سے دیکھتے ہیں۔ سیٹھ کا لڑکا پرویز بھی۔ وہ دن بھر فیکٹری میں کام کرتی شام کو گھر پہنچتی تو اپنے بابا کی تیمار داری کرتی بابا کے پاؤں دابتی اور پاؤں دابتے دابتے جب وہ اونگھنے لگتی تو پھر جلدی سے اپنی چارپائی پر آ کر سو جاتی ایسے جیسے کوئی گٹھڑی پڑی ہے بالکل بے جان اگر کوئی خواب بھی دیکھتی تو یہی کہ بس فیکٹری کا بڑا دروازہ بند ہونے والا ہے اور تمام مزدور جلدی جلدی اندر داخل ہو رہے ہیں۔ یا پھر کبھی کبھی خواب میں نسرین کو دیکھتی اپنی بڑی بہن کو۔ وہ ننگی پڑی ہے بالکل ننگی ایسے خوابوں سے وہ بڑی پریشان ہوتی اس کی سمجھ میں کچھ نہ آتا کہ وہ اپنی بہن کو اس حالت میں کیوں دیکھتی ہے۔

پروین پہلی شفٹ میں کام کرتی تھی کہ ایک دن مینیجر نے اسے اپنی کمرہ میں بلایا۔ اور بتایا کہ سیٹھ صاحب چاہتے ہیں تمہیں دوسری شفٹ میں تبدیل کر دیا جائے کیونکہ دوسری شفٹ میں کام کرنے والی کئی ایک لڑکیاں نوکری چھوڑ گئی ہیں تمہیں اس پر کوئی اعتراض تو نہیں پھر مینیجر نے خود ہی کہا میرے خیال میں رات کی ڈیوٹی بہت مشکل ہوتی ہے میں تمہارے لئے سیٹھ سے سفارش کرا دوں گا۔ بلکہ تمہیں بھی سیٹھ صاحب کے پاس لے چلوں گا۔ وہ تمہارے کام سے بڑے خوش ہیں"

پروین پہلی شفٹ میں کام کرتی تھی۔ ایک دن جب پہلی شفٹ ختم ہونے کا سائرن بجا تو جھونپڑیوں کی طرف جانے والی لڑکیوں نے دیکھا کہ پروین ان کے ساتھ نہیں۔ سب نے ایک دوسرے سے پوچھا لیکن کسی کو کچھ پتہ نہ تھا۔ لڑکیوں نے اس واقعہ کو کوئی خاص اہمیت نہ دی اور کبھی نسرین اور کبھی پروین کی باتیں کرتے کرتے اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو گئیں جب پروین اپنے گھر نہ پہنچی تو بوڑھا رمضان کانپ کانپ گیا۔ وہ بڑی مشکل سے چارپائی سے اٹھا اور ساتھ والی جھونپڑی میں شفیع کو آواز دی اور اسے رو کر کہا "شفیع ذرا دیکھو میری بیٹی کیوں نہیں آئی۔ کوئی حادثہ تو نہیں ہو گیا"۔۔۔ ہمسائے نے بوڑھے رمضان کو تسلی دی اور فیکٹری کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس نے دربان سے پوچھا۔ پھر مینیجر کے کمرہ میں گیا۔ کمرہ بند تھا۔ چھوٹے سیٹھ کے دفتر میں گیا۔ دفتر بند تھا وہ بے خیالی میں فیکٹری کے وسیع لان سے گزرتا ہوا بڑے سیٹھ صاحب کے اس چھوٹے سے ریسٹ ہاؤس کی طرف چل پڑا جو فیکٹری کے وسیع احاطہ میں ایک طرف کونے میں بنایا گیا تھا۔ چاندنی رات میں بڑے بڑے درختوں کے سایوں میں گھرا ہوا ریسٹ ہاؤس بڑا پراسرار دکھائی دے رہا تھا۔ شفیع کے دل میں ایک انجانا سا خوف سوار ہوتا جا رہا تھا۔ لیکن وہ آگے بڑھتا گیا اور ریسٹ ہاؤس تک پہنچ گیا۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ وہ یہاں کیوں آ گیا۔ وہ اپنے آپ کو کوسنے لگا۔ اس کا خوف بڑھتا جا رہا تھا اب وہ ریسٹ ہاؤس کے برآمدہ سے ہوتے ہوئے بڑے کمرے کے دروازے کے سامنے کھڑا تھا عجب خاموشی اور تنہائی تھی بڑا کمرہ روشن تھا لیکن شفیع کی ہمت نہ ہوئی کہ وہ دروازہ کھٹکھٹائے اس نے دروازے پر ہاتھ رکھا تو اسے یوں محسوس ہوا جیسے دروازہ کھلا ہے اس نے اپنے ہاتھ کو ذرا اور زور سے دبایا تو دروازے کا ایک پٹ معمولی سا کھل گیا۔ اس نے ڈرتے ڈرتے اندر جھانکا تو دیکھا کہ فرش پر ایک نوجوان لڑکی کی ننگی لاش پڑی ہے۔ بالکل ننگی دونوں ٹانگوں کے درمیان کچھ خون بھی جما پڑا ہے وہ پسینے سے شرابور ہو گیا۔ اس نے غور سے دیکھا تو یہ پروین تھی۔

شفیع کی ٹانگیں کانپنے لگیں۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ وہ کیا کرے وہ چپکے سے ریسٹ ہاؤس سے باہر نکل آیا اور ہانپتا کانپتا فیکٹری سے نکل کر جھونپڑیوں کے پاس پہنچ گیا اور اس نے بے ساختہ بلند آواز میں پکارا "لوگو غضب ہو گیا ریسٹ ہاؤس میں پروین کی لاش پڑی ہے وہاں خون پڑا ہے۔ لوگو بڑے سیٹھ نے ہماری عزت سے کھیلا ہے۔ اس نے ہماری غیرت کو للکارا ہے لوگو چلو میرے ساتھ چلو تمہیں پروین پکار رہی ہے۔۔۔" دیکھتے ہی دیکھتے جھونپڑیوں سے سب چھوٹے بڑے باہر نکل آئے کسی کے ہاتھ میں لاٹھی تھی کسی کے ہاتھ میں اینٹ یا پتھر اور کسی کے ہاتھ میں لالٹین۔ غریبوں کا لشکر ایک سیٹھ سے ٹکر لینے کے لئے روانہ ہوا۔ لشکر کیا تھا ایک بپھرا ہوا طوفان تھا۔ جوش مارتا ہوا خون تھا۔ لوگ پروین کا انتقام لینے جا رہے تھے خون کا بدلہ لینے جا رہے تھے۔

فیکٹری کا بڑا دروازہ بند تھا۔ بپھرے ہوئے لشکر کو دیکھ کر دربان سیٹھ کو اطلاع دینے کے لئے بھاگا۔ ادھر جھونپڑی والوں نے فیکٹری کا محاصرہ کر لیا فیکٹری کے اندر اینٹوں اور پتھروں کی بارش ہونے لگی وہ چیخ رہے تھے چلا رہے تھے "ہم خون کا بدلہ لیں گے۔ پروین کی لاش ہمارے حوالے کرو۔ ہم سیٹھ کو کچا چبا جائیں گے۔ ہم فیکٹری کو آگ لگا دیں گے"۔ جھونپڑی والوں کا سرد خون کھول رہا تھا اور انتقام کی آگ بڑھتی جا رہی تھی۔ اچانک پولیس کی دو گاڑیاں وہاں پہنچ گئیں۔ زور سے بریک لگنے کی آواز آئی اور پولیس انسپکٹر آگے بڑھا۔ اس نے کہا "خبردار اگر کسی نے کوئی غیر قانونی حرکت کی۔ خاموش ہو جاؤ اور فیکٹری سے بیس بیس گز پیچھے ہٹ جاؤ۔ ہمیں سیٹھ صاحب نے فون پر اطلاع دی ہے کہ تم لوگ فیکٹری کو آگ لگانا چاہتے ہو اگر کسی نے ایسی حرکت کی تو ہم کارروائی کریں گے"۔

ایک مزدور آگے بڑھا اور اس نے کہا "انسپکٹر آگے بڑھو اور اندر جا کر ہماری بیٹی کی لاش دیکھ کر بتاؤ کہ ہمیں کیا کرنا چاہئیے۔ ہماری لڑکی ہمارے حوالے نہ کی گئی اور ہمارے ساتھ انصاف نہ کیا گیا تو ہم فیکٹری کو آگ لگا دیں گے۔ ہم سیٹھ کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ ہم خون کا بدلہ چاہتے ہیں"۔ انسپکٹر نے کہا تم لوگ خاموشی سے میرا انتظار کرو۔ میں اندر جا کر سیٹھ صاحب سے بات کرتا ہوں اور واقعات دیکھتا ہوں لیکن خبردار اگر کسی نے قانون کو ہاتھ میں لینے کی کوشش کی"۔

انسپکٹر اندر چلا گیا۔ مزدور اور پولیس کے جوان باہر انتظار کرتے رہے وقت گزرتا گیا۔ لوگ آپس میں سرگوشیاں کرنے لگے۔ اتنے میں انسپکٹر باہر آیا اور اس نے کہا "لوگو میں نے خود واقعات کا جائزہ لیا ہے اندر نہ کوئی لاش ہے اور نہ ہی یہاں کوئی ایسی واردات ہوئی ہے۔ تمہیں یونین کے لوگوں نے غلط اطلاع دی ہے اور سیٹھ صاحب کے خلاف اکسایا ہے۔ سیٹھ صاحب بڑے رحم دل انسان ہیں ہیں۔ انہوں نے کہا ہے کہ جو مزدور لڑکی گم ہو گئی ہے ہمیں اس کے ورثا سے دلی ہمدردی ہے اور ہم ان کو اپنی طرف سے پانچ سو روپے نقد ادا کریں گے اب آپ لوگ جائیں اور قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش نہ کریں ورنہ سخت کارروائی کی جائے گی"



ضیاء سرحدی کی یادداشتیں —— (۱۲)



ایک ڈاکیے نے مجھے رومانوی فلم کا تخیل دیا

ممتاز فلم ساز و ہدایتکار ضیاء سرحدی نے الفتح کے لئے لکھا

مروج سے علیحدہ ہو کر میں نے رفتہ رفتہ زیب النساء سے بھی مکمل علیحدگی اختیار کر لی، شہر سے دور ایک چھوٹا سا فلیٹ کرایہ پر لے لیا اور اس کو اپنی کہانیوں کا تجربہ گاہ تصور کر کے اس میں رہائش اختیار کر لی، اُس دور کے کچھ طبع شدہ فلم اسکرپٹ خریدے اور ان کے علاوہ بھی فلم سے متعلق کچھ اور کتابیں خرید لیں۔ ان کتابوں میں روسی فلمساز ایزن اسٹین کی کتابیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں THEORY OF MONTAGE کے پیش نظر ایزن اسٹین کی فلمسازی اور فلم شناسی کے ان دنوں خاصے چرچے تھے اور بمبئی کی صنعت فلمسازی میں قدم قدم پر ان ایام میں "مونتاژ" اور ایزن اسٹین کی ٹیکنیک زیر بحث رہتی تھی، میں نے بھی چونکہ اُس وقت تک ایزن اسٹین کا کوئی فلم نہیں دیکھی تھی۔ اس لئے دوسرے فلمسازوں اور فلمی طالب علموں کی طرح میرے ذہن میں بھی اس اجنبی DEVICE کا کوئی واضح تصور نہیں تھا۔ اگرچہ یہ تو معلوم ہو چکا تھا۔ کہ فرانسیسی میں "مونتاژ" ایڈیٹنگ یا تدوین کو کہتے ہیں مگر ساتھ ہی ساتھ یہ بھی سنا تھا۔ کہ ایزن اسٹین نے اپنی یہ مخصوص DEVICE خاص موقعہ کے لئے تراشی ہے اور اس کے استعمال سے فلم میں ایک نیا DIMENSION پیدا ہو جاتا ہے بہرحال یہ اختراع اس قدر سحر آفرین ثابت ہو رہی تھی۔ کہ میں بھی یہ سمجھنے لگ گیا تھا کہ اس سے واقف کار ہو کر، ممکن ہے میں بھی اچھی فلم بنانے کی کوئی راہ اپنے لئے نکال لوں، چنانچہ مذہبی شدتِ جذبہ کے ساتھ اب میں نے مطالعہ شروع کر دیا۔ فلمی تصانیف کے علاوہ ادبی کتابوں کا ذخیرہ بھی اب میں نے خاصا اکٹھا کر لیا تھا اور اب یہ تھا۔ کہ میں صبح و شام کتابوں میں ڈوب کر رہ گیا مگر ایزن اسٹین کی کتابوں سے جب واسطہ پڑا، تو یہ اندازہ ہوا کہ بغیر کسی رہبر کے ایزن اسٹین کی تصنیفات کو سمجھنا آسان نہیں ہے۔ بمبئی میں ان دنوں نہ تو کوئی فلم اکیڈیمی تھی۔ اور نہ دوسرے ایسے کوئی مخصوص وسائل تھے، جن کا سہارا لیا جا سکتا اور فلم کے جزویات کو باقاعدگی اور سائنسی طریقہ کار سے سیکھا جا سکتا۔ لہٰذا میں نے بھی یہ فلمی کتابیں پڑھ تو لیں، لیکن ان کی بہت سی باریکیوں کو سمجھنا عرصہ دراز تک میری پہنچ سے باہر رہا، ان ہی ایام میں ساگر فلم کمپنی کے مالکان نے مجھ کو منا لیا کہ میں ان کے ساتھ ایک طویل عرصہ کا معاہدہ کر لوں اور ساگر کے لئے ہدایت کاری کے کام بھی انجام دوں۔

ساگر کے مالکان کو مجھ پر کسی نہ کسی وجہ سے بڑا اعتماد تھا۔ اور بقول ان کے میرے اندر ہدایت کار کے جراثیم خاصی تعداد میں موجود تھے، لہٰذا ان کی یہ مخلصانہ خواہش تھی کہ میں سکرپٹنگ کے ساتھ ساتھ ہدایت کاری کے میدان میں بھی بغیر کسی جھجک کے قدم رکھ ہی دوں، تاہم میں نے ان کے سامنے دو شرطیں

> **شاید عورت کے**
> **جسم کی شعاعیں**
> **میری تاریکیوں**
> **کو روشن کر دیں**

رکھ دیں۔ جو ان کے لئے قابل قبول تھیں۔ میری ایک شرط یہ تھی کہ میں کسی قسم کی تقلیدی فلم نہیں بناؤں گا، اور دوسری یہ کہ میرے ساتھ ساگر کا کوئی باخبر ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ متعین کر دیا جائے جو عملی طور پر ٹیکنیکل معاملوں میں مجھ سے بھرپور تعاون کرے، یہ اور دیگر چند باتیں جب آخری طور پر طے ہو گئیں تو کچھ ہی روز کے بعد میں نے اپنی فلم کے لئے اسکرپٹ کے سوچنے کا آغاز کر دیا مگر اب سوال یہ تھا کہ اسکرپٹ کیسا ہو، اور میں ایک غیر رسمی فلم کیونکر بناؤں۔

اس کی تلاش میں لیکن کتنی ہی صبحیں، شاموں اور راتوں میں بدلتی چلی گئیں اور کوئی بات سوجھتی ہوئی نظر نہ آئی۔ جب اپنے اندر سے کوئی کرن نہ پھوٹی، تو میں نے دوسری شاہراہوں کا رُخ کیا، اپنی پسند کے افسانہ نگاروں اور ناول نویسوں کا سہارا لینے کی کوشش کی، لیکن یوں بھی قدم قدم پر مشکلات کے کوہستانی سلسلے اُبھرتے ہوئے ہی نظر آتے رہے اور میں باقاعدہ محسوس کرتا رہا کہ کسی کے ناول یا افسانے کو فلم کے سانچے میں صحت مندی اور دیانت داری کے ساتھ ڈھال لینا بھی کوئی آسان بات نہیں ہے اس کوشش میں مجھ کو اگرچہ کتنے ہی غیر رسمی مضامین ملے غیر معمولی اور جاذب توجہ کردار بھی سامنے آئے لیکن ان کو فلم کی کڑیوں میں منتقل کرنا، میرے بس میں نہیں تھا۔ اور کسی نہ کسی مقام پر پہنچ کر، کوئی نہ کوئی الجھن درپیش ہوتی ہی رہی۔ جب یہ ہوا تو میری مایوسیاں بڑھنے لگیں۔ اور مایوسیوں سے ذہن کی رگیں، زخم خوردہ محسوس ہونے لگیں وحشت کا بھی اب یہ عالم تھا۔ کہ میں اپنا گریبان چاک کرنے کی ٹھان لیتا اور جب کوئی اندرونی اشارہ مجھ کو اس سے باز رکھتا تو پھر میں، دیوانہ وار اپنی موٹر کار میں بیٹھ کر طویل راستوں کی سمت نکل جاتا۔ گھنٹوں اسی عالم میں دور دراز تک گھومتا رہتا اور جب یہ بھی باعث سکون نہ ہوتا تو پھر جام شراب پر جھپٹتا اور مطلقاً بے ہوش ہو جانے تک پیتا ہی رہتا اور پھر میرا ہمراز اور ہمدرد ڈرائیور پرس رام مجھ کو لا کر بستر میں لٹا دیتا۔ پچھلے کچھ ایام سے عورت ملس میری حیات میں نہیں تھا۔ مجھے جب ایک روز دفعتاً اس کا احساس ہوا۔ تو میں نے سوچا، ہو سکتا ہے عورت کے جسم کی شعاعیں، میری تاریکیوں کو روشن کر دیں۔ چنانچہ اب میں نے عورت کی تلاش شروع کر دی اور یہ تلاش مجھ کو بمبئی کے

باقی صفحہ ۲۶ پر ملاحظہ فرمائیں



رانا نیّر اقبال

طارو!
تُمہیں ماں
پُکار رہی ہے



رانا طاہر اقبال عرف طارو

ایک ماں کی زندگی بیٹے کے ہاتھ میں ہے

الفتح رپورٹ

چھ سال پہلے ایک بیٹے نے ماں کی ممتا پر ضرب لگائی اس ظالم کو یہ اندازہ ہی نہ تھا، کہ مائیں اپنے جگر گوشوں اور آنکھوں کے نور کے غم میں کس کرب، بے چینی اور تڑپ سے زندگی کے دن گذارتی ہیں۔ اُسے یہ پتہ ہوتا کہ اچانک گھر سے غائب ہونے پر اس کی ماں کی نیندیں حرام ہو جائیں گی۔ دن بھر دروازے کی دہلیز پر سنائی دینے والی ہر چاپ پر وہ پاگلوں کی طرح دوڑے گی اور طارو کو نہ پا کر وہیں ڈھیر ہو جائے گی۔ طارو کی راہ تکتے تکتے اس کی آنکھیں پتھرا جائیں گی۔ وہ ایک ایسی زندہ لاش بن جائیگی جسے آخری سانس لینے سے پہلے اپنے طارو کی ایک جھلک دیکھنے کی حسرت رہ جائے گی۔

یہ طارو کون ہے، اور ماں پر کیا بیت رہی ہے۔ اس کا احوال طارو کے بڑے بھائی رانا نیّر سے سنیئے جو پچھلے دنوں اپنے بھائی کی تلاش میں کراچی کے پُر رونق بازاروں، گلیوں، کوچوں اور سڑکوں کی خاک چھانتا رہا اور بالآخر مایوس ہو کر عید سے دو روز پہلے لاہور واپس چلا گیا۔

نیّر راوی ہے۔

چھ سال پہلے میرا بھائی رانا طاہر اقبال (جسے ماں پیار سے طارو کہہ کر پکارتی ہے) ناراض ہو کر گھر سے نکل گیا۔ چند روز تک گھر والوں کو یہ آس لگی رہی کہ وہ واپس آجائے گا۔ لیکن جوں جوں دن گذرتے گئے اور طارو کی واپسی مشکوک ہونے لگی تو میری والدہ کی بے چینی میں اضافہ ہوتا گیا۔ ان پر غشی کے دورے پڑنے لگے۔ وہ ہوش میں آتے ہی طارو - طارو پکارتیں اور پھر بے ہوش ہو جاتیں۔ آج پورا خاندان "طارو - طارو" پکار رہا ہے، ایک طرف والدہ کی حالت ہے۔ دوسری طرف گھر ماتم کدہ بنا ہوا ہے۔

طارو زندہ ہے لیکن اس کے گھر والے موت و حیات کے سے عالم میں شب و روز بسر کر رہے ہیں، ہر وقت ایک فکر سب کو کھائے جاتی ہے کہ نہ جانے کس وقت والدہ پر "طارو" کا دورہ پڑے اور وہ خدا نخواستہ داعیٔ اجل کو لبیک کہہ جائیں۔ اس سانحہ کا تصور اس خاندان کو مختلف طریقوں سے مجبور کر رہا ہے کہ وہ کسی نہ کسی طور سے سکون حاصل کر لیں، شیرانوالہ گیٹ میں جہاں طارو اور نیّر کی جوڑی مشہور تھی۔ گھر والوں نے اس سکونت کو بھی خیرباد کہہ دیا۔ اور اب شاہدرہ میں خوش نویس کالونی میں منتقل ہو گئے ہیں۔ لیکن حالات تبدیل نہیں ہوئے والدہ پر اسی طرح غشی کے دورے پڑ رہے ہیں۔ بے چینی جوں کی توں برقرار ہے۔

نیّر کا کہنا ہے کہ طارو زندہ ہے۔ ممکن ہے کہ وہ کسی گروہ کے چنگل میں پھنس گیا ہو اور اب وہاں سے نہ نکل سکتا ہو اسے اپنی ماں کی موجودہ حالت کا علم ہو چکا ہے اور یہ ناممکن ہے کہ وہ ماں کا آخری دیدار نہ کرے۔ کوئی رکاوٹ ضرور ہے ورنہ وہ تین سال پہلے والدہ کو کراچی سے عید کارڈ نہ بھیجتا۔ خط نہ لکھتا - اب تین سال گزر گئے ہیں۔ طارو نے خط بھی لکھا نہ ماں کی پکار پر لبیک کہا۔

اب ایک بات رہ گئی ہے کہ طارو اپنی زندگی کے لئے پورے خاندان کی موت کا صدمہ برداشت کر لے گا۔ کیا وہ اپنی ماں کو تڑپ تڑپ کر مرنے دے گا؟ کیا مجھ سے ملے بغیر زندہ رہ سکے گا۔

یہ فیصلہ طارو نے کرنا ہے، ماں کو زندہ رکھنے کے لئے اور پورے خاندان کو ایک بھیانک موڑ سے لوٹانے کے لئے طارو کا فیصلہ ہی آخری ہو گا۔

طارو کی ماں بستر مرگ پر آج بھی پکار رہی ہے۔

"بیٹے میرے مرنے سے پہلے ایک بار گھر آجاؤ۔ طارو تم واپس جانا چاہو گے، تو میں وعدہ کرتی ہوں کہ تمہیں تمہاری خواہش کے مطابق واپس لوٹا دوں گی۔"



لانڈھی کورنگی کے بنجر پارک

چیئرمینوں کی بے حسّی کا ماتم

عبداللہ رفیق

لانڈھی کورنگی کی آبادی سات لاکھ کے لگ بھگ ہے۔ شہر سے بارہ میل پرے ۱۲۵ مربع میل کے رقبہ میں پھیلی ہوئی یہ آبادی دن بدن بڑھتی جارہی ہے۔ اتنی بڑی آبادی کے لئے شہری سہولتیں اور ضروریات مہیا کرنے کے لئے بلدیہ کا قیام نہایت ضروری تھا۔ ابتداء میں کے ڈی اے چند بلدیاتی فرائض انجام دیتا رہا۔ جب بنیادی جمہوریتوں کا نظام نافذ کیا گیا۔ تو لانڈھی کورنگی میں ٹاؤن کمیٹیاں قائم کی گئیں۔ بلدیاتی فرائض ٹاؤن کمیٹیوں کو سونپ دیئے گئے۔ مارچ ۱۹۶۶ء کو لانڈھی کورنگی بلدیہ قائم کی گئی تین ٹاؤن کمیٹیوں کی جگہ چودہ یونین کمیٹیاں بنا کر ان کے ارکان نے بلدیہ کے وائس چیئرمین کو منتخب کیا۔ اور حکومت نے بلدیہ کا جز وقتی چیئرمین کا تقرر کیا۔ سید فضل احمد بلدیہ لانڈھی کورنگی کے پہلے چیئرمین تھے۔ یکم جون ۱۹۶۶ء کو حکومت نے ابتدائی اخراجات کے لئے بلدیہ لانڈھی کورنگی کو پچاس ہزار روپے کا عطیہ دیا۔ اور بلدیہ کے چیئرمین سید فضل احمد کو کل وقتی چیئرمین بنا دیا۔ ۳۰ اگست ۱۹۶۶ء کو کمشنر کراچی کی صدارت میں ایک اعلیٰ اختیاری کمیٹی کا اجلاس ہوا جس میں بلدیہ کی آمدنی کے پیش نظر بتدریج بلدیاتی ذمہ داریاں سونپنے کا فیصلہ کیا گیا۔ آمدنی کی کمی کی وجہ یہ تھی کہ اس علاقے کی اکثریت محنت کش طبقے پر مشتمل تھی۔ اس لئے یہ فیصلہ کیا گیا کہ بلدیہ لانڈھی کورنگی صرف چنگی محصول عائد کرنے کی مجاز ہوگی۔ اور اسے صرف علاقے کی صفائی کا انتظام دیا گیا۔ اب بلدیہ لانڈھی کورنگی میں ڈرگ روڈ اور ملیر کا علاقہ بھی شامل کر دیا گیا ہے۔

جہاں تک بلدیہ کی کارکردگی کا تعلق ہے۔ یہ بات کوئی ڈھکی چھپی نہیں کہ بلدیہ کے حکام اور یونین کمیٹیوں کے سابق چیئرمینوں نے مختلف منصوبوں کو کاغذوں پر مکمل کر کے قومی روپیہ اپنی جیبوں کی نذر کیا۔ ہر ایک یونین کمیٹی کو ہزاروں روپے اپنے اپنے علاقوں کے فلاحی کاموں کے لئے دیئے گئے۔ عوام کو سابق چیئرمینوں کا دور اقتدار اب بھی اچھی طرح یاد ہے۔ اُن کے چھوڑے ہوئے کئی نشانات باقی ہیں۔ ان چیئرمینوں نے اپنے اپنے علاقوں میں بچوں کے پارک کے لئے ایک وسیع قطعہ زمین پر خاردار تاروں کی باڑ لگوائی ایک مالی کا تقرر کیا گیا۔ مگر پارک کی بنجر زمین، گھاس، پودوں سے محروم پارک آج بھی اُن چیئرمینوں کی بے حسی اور بدعنوانیوں کا ماتم کر رہا ہے۔

تعلیمی سہولتوں کا فقدان

کورنگی میں حکومت، بلدیہ اور پرائیویٹ اسکول بھی ہیں۔ اور بعض میں ڈبل شفٹ بھی ہوتی ہے۔ لیکن یہ تعلیمی ادارے سات لاکھ کی آبادی کے لئے بالکل ناکافی ہیں۔ اکثر بچوں کو داخلہ نہیں ملتا۔ اُن کے سامنے دو ہی صورتیں ہوتی ہیں کہ وہ اپنی تعلیم کے لئے شہر جائیں یا گلیوں میں گلی ڈنڈا کھیلیں۔ آوارہ گردی کریں اور آخر کار سماج دشمن عناصر میں شامل ہو جائیں۔ لانڈھی کورنگی محنت کشوں کی بستیاں ہیں۔ یہاں کے لوگ اتنے غریب ہیں کہ وہ اپنے بچوں کو روزانہ شہر نہیں بھیج سکتے۔ لڑکیوں کی تعلیم کا مسئلہ اور بھی سنگین ہے۔ گورنمنٹ کے صرف دو گرلز اسکول ہیں۔ ایک اپوا کا ہے۔ اپوا والوں نے اپنی فیس بڑھا کر ساڑھے تیرہ روپے ماہانہ کر دی ہے۔ غریب والدین اتنی فیس برداشت نہیں کر سکتے۔ پھر ان اسکولوں میں داخلہ بھی بہت مشکل سے ملتا ہے۔ جس کے نتیجہ میں لڑکیوں کی ایک بڑی تعداد تعلیم سے محروم رہ جاتی ہے۔ کچھ عرصہ قبل بلدیہ نے لڑکیوں اور لڑکوں کے لئے سیکنڈری اسکول کھولے تھے لیکن ایک سال کے بعد کچھ بتلائے بغیر بند کر دیئے۔ جو طلبہ ان اسکولوں میں زیر تعلیم تھے۔ اب وہ داخلے کے لئے اِدھر اُدھر مارے مارے پھر رہے ہیں اُن کا کوئی پرسان حال نہیں۔

اس پر طرہ یہ کہ بلدیہ کے اسکولوں کے ماسٹروں کو بھی "اساتذہ" کی ضرورت ہے۔ ان اسکولوں میں ایسے بھی ہیڈ ماسٹر ہیں جو یہ نہیں جانتے کہ پروویژنل سرٹیفکیٹ کیا ہوتا ہے۔ میں اپنے بچے کا پروویژنل سرٹیفکیٹ لینے کورنگی پونے چھ پر واقع ایک بلدیہ کے اسکول میں گیا۔ صدر مدرس سے مدعا بیان کیا۔ تو معلوم ہوا کہ موصوف کو معلوم نہیں پروویژنل سرٹیفکیٹ کیسے بنایا جاتا ہے۔ یہ واقعہ بیان کرنے کا مقصد



لاکھوں روپے کی لاگت سے تعمیر ہونے والے پارک ویران پڑے ہیں

خلفائے راشدین کے نام والی سڑکوں میں ایک سڑک سابق چیئرمین کے نام پر بھی ہے

اُن حالات کو سامنا لانا ہے۔ جس پر تعلیمی معیار دن بدن گرتا جا رہا ہے۔

طبی سہولتوں کا فقدان

پورے علاقے میں حکومت یا بلدیہ کا کوئی ہسپتال نہیں۔ صرف کورنگی نمبر ۵ میں گورنمنٹ کی ایک ڈسپنسری ہے۔ جہاں پر دوائی کم پانی زیادہ دیا جاتا ہے، صبح ایک بڑے ڈرم میں مکسچر تیار کیا جاتا ہے۔ اور ہر مریض کو اُس کی ایک بوتل تھما دی جاتی ہے۔ بالفاظ دیگر ہر مرض کی دوا ہی مکسچر ہے اِس عمارت میں آج سے ایک سال پہلے ایک زچہ خانہ تھا۔ مگر نہ جانے کن خفیہ ہاتھوں نے یہ زچہ خانہ بند کروا کر رہی سہی کسر پوری کر دی۔

سڑکیں اور اُن کے نام

بلدیہ لانڈھی کورنگی نے سڑکوں کے نام خلفائے راشدین کے ناموں پر رکھے۔ شاید یہ نام تجویز کرتے وقت بلدیہ کے اراکین میں "نظریہ پاکستان" کی روح کام کر رہی ہو گی۔ لیکن مزے کی بات ہے کہ ایک سڑک کا نام ایک سابق چیئرمین عبداللطیف کے نام رکھ کر اسلام اور خلفائے راشدین کے تقدس کا مذاق اڑایا گیا ہے۔ کورنگی نمبر ۲ سے مارکیٹ کورنگی نمبر ۴ کو جو سڑک جاتی ہے اُس کا نام شاہراہ عبداللطیف ہے۔ اسی سڑک کے کنارے موصوف کا دفتر اور گھر ہے اور گھر کے نزدیک ایک پارک ہے۔ جس کا نام بھی موصوف کے اسم گرامی پر رکھا گیا۔ اِس پارک میں گھاس، پودوں اور پھولوں کا نام و نشان نہیں۔ صرف تاروں کی باڑ بنی ہوئی ہے۔ اور ایک مالی صبح شام ان تاروں کو درست کرتا دکھائی دیتا ہے۔

اِن سڑکوں کو یونین کمیٹیوں کے چیئرمینوں نے اپنے رشتے داروں اور ایجنٹوں کے ذریعے تعمیر کروایا تھا۔ ناقص مال استعمال کیا گیا۔ جس کی وجہ سے یہ سڑکیں بارش کا پہلا حملہ بھی نہ برداشت کر سکیں۔ اب جگہ جگہ اپنی نئی نویلی پوشاک میں ٹاٹ کا پیوند لگوانے کے لئے وہ کسی کا راستہ دیکھ رہی ہیں۔

صفائی اور روشنی کا انتظام

بلدیہ کے پاس صفائی کا اچھا خاصا عملہ ہونے کے باوجود جگہ جگہ کوڑے کرکٹ کے ڈھیر نظر آتے ہیں۔ مگر پانی کے نکاس کا کوئی انتظام نہیں۔ بنیادی جمہوریت کے نظام کے دوران خاکروب صرف چیئرمین اور بی ڈی ممبران کے گھروں کی صفائی کر دیا کرتے تھے۔ یا جو خاکروبوں کو پیسے دیدیا کرتا تھا تو اُس کے گھر کے سامنے سے گندگی کا ڈھیر ہٹا دیا جاتا تھا۔ اب حالت مزید خراب ہو گئی ہے بلدیہ کے حکام سے متعدد بار رجوع کیا گیا لیکن وہ ٹال مٹول سے کام لیتے ہیں۔

بسوں کا مسئلہ

یاداش بخیر جب کراچی میں اومنی بس سروس رائج کی گئی تو اُس وقت کے کمشنر نے کرائے میں اضافہ کا اعلان کرتے ہوئے یہ نوید دی تھی کہ اب کراچی کے عوام کو بسوں کی قلت نہ رہے گی کرایہ بڑھا دیا گیا۔ ایک دو دن تو بسوں کی تعداد بھی ٹھیک رہی۔ اُس کے بعد حالات دن بدن خراب ہونے لگے۔ اب حالت یہ ہے کہ دو دو تین تین گھنٹے بس کا انتظار کرنا پڑتا ہے۔ رش اس قدر ہوتا ہے کہ بس میں سانس لینا دشوار ہوتا ہے۔ لانڈھی کورنگی کا کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ وہ اپنے دفتر وقت پر پہنچ جاتا ہے۔ ابھی حال ہی میں بس اسٹینڈ بنائے گئے ہیں۔ ان کا کوئی مصرف نہیں۔ بسیں اسٹاپ سے دور کھڑی ہوتی ہیں۔ یہ بس اسٹینڈ چرسی اور نشے کے عادی افراد کے ڈیرے بن گئے ہیں۔ سماج دشمن عناصر یہاں ڈیرا جما کر آتی جاتی خواتین کو تنگ کرتے ہیں۔



غلاظت — لانڈھی کورنگی کے عوام کا مقدر بن چکی ہے

بقیہ :- ضیاء سرحدی کی یادداشتیں

مختلف BROTHELS میں لے گئی، میں نے پسند کی کتنی ہی عورتیں چن ڈالیں، ان کے ہونٹوں میں ان کی آنکھوں میں ان کے جسم کی حسین وادیوں میں کھیلتی ہوئی ابریشمی ساریوں کی سحر آفرینی میں غرضیکہ اس طرح سے بھی میں نے جو ہو سکا کیا۔ لیکن آخر کار اڑتی ہوئی گرد کا سا عالم ہی نظر آیا۔

مجھے بخوبی یاد ہے کہ ان ایام میں ایک یا دو بار میں خوب خوب رویا بھی، لیکن آنسوؤں کی تابانی نے بھی مجھے کوئی راہ نہ سجھائی۔

پھر ایک روز ایک عجیب واقعہ ہوا، ایک عجیب بات ہوئی اور مجھ کو میرے غیر رسمی فلم کا مضمون ہاتھ آ گیا۔

خط پہنچانے کے لئے گھر پہ ڈاکیہ آیا اور مجھ سے کہنے لگا صاحب آپ ہم غریبوں کے ارمانوں کا فلم بھی تو کبھی بنا کر دکھائیں میں نے چونک کر پوچھا۔ تیرا کیا ارمان ہے۔ اس نے تلخ لہجہ میں کہا۔ موٹر کار۔

اس نے وضاحت کرتے ہوئے اُس نے کہنا شروع کیا کہ آپ چاہیں تو مجھ کو پاگل سمجھ لیں، مگر میں موٹر کار کا مالک بننے کا خواب ضرور دیکھوں گا۔ موٹر نہ سہی مگر اس کا خواب دیکھنے کا میرا حق تو مجھ سے کوئی نہیں چھین سکتا۔

یہ کہہ کر ڈاکیہ تو چلا گیا لیکن اس کے چلے جانے ہی سے مجھ کو ایک نیا ہوش سا آتا ہوا محسوس ہونے لگا۔

"غریب ڈاکیئے کا موٹر کا خواب"؟

اب یہ ڈاکیئے کا خواب مجھ پر مسلط ہو گیا۔ اور میں نے اسی کو نفس مضمون بنا کر اپنا نیا سکرپٹ لکھنا شروع کر دیا۔

"غریب اور نادار ڈاکیئے کے ارمانوں کا سکرپٹ"!

جس کا نام میں نے پوسٹ مین رکھا۔ اور کچھ روز کے بعد اس کا فلم بنانا شروع کر دیا۔

جیونی

نائیلون کے دھاگے، فلوٹ اور انجن کی بلیک

عبدالرحیم ظفر

بلوچستان کا ساحلی علاقہ ۷۵۰ میل ہے، یہاں کی آبادی کا ۹۵ فیصد مفلوک الحال ماہی گیروں پر مشتمل ہے، یہ دست دولت آفرین جو ملک کے زرمبادلہ میں گراں قدر اضافے کے موجب ہیں دو وقت کی روکھی سوکھی روٹی کے لئے بھی ترستے ہیں۔ روٹی اڑن طشتری کی مانند بلند ہوتی جارہی ہے اس حصول دن بدن دشوار ہوتا جارہا ہے یہ لوگ نہ صرف بنیادی ضروریات سے محروم ہیں بلکہ نائیلون کے دھاگے، فلوٹ اور انجن، جو ان کے ذریعہ معاش کے لئے لازم و ملزوم ہیں، محکمہ فشریز اور زراعت کے حکام کی لاپرواہیوں کی وجہ سے محروم کردیئے گئے ہیں۔

نائیلون کا دھاگہ، فلوٹ اور انجن ماہی گیری کی صنعت میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں، لیکن ان چیزوں کا حصول بلوچستان کے ماہی گیروں کے لئے دن بدن دشوار ہوتا جارہا ہے انتہیں تمام کوششوں کے باوجود آج تک یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ حکومت نے بلوچستان کے لئے ان چیزوں کا کوٹہ مقرر کیا ہے یا نہیں۔ اگر کوٹہ ہے تو وہ کہاں جاتا ہے۔ کس کو دیا جاتا ہے؟ کیونکہ بلوچستان کے ماہی گیروں کو منہ مانگے داموں پر نائیلون کا دھاگہ، فلوٹ، اور انجن کراچی سے خریدنے پڑتے ہیں۔ نائیلون کے دھاگے پر چند سرمایہ داروں کی اجارہ داری ہے۔ گوداموں میں مال بھرا ہونے کے باوجود انہوں نے مصنوعی قلت پیدا کردی ہے۔ وہ اپنے ایجنٹوں کے ذریعے اسے ۹ سو روپے فی من کے حساب سے فروخت کررہے ہیں، جبکہ کنٹرول ریٹ ۶ سو روپے فی من ہے اس طرح سے تین سو روپے فی من کے حساب سے بلیک ہورہی ہے اس پر ستم ظریفی یہ کہ بلیک میں بھی دھاگا نہایت مشکل سے ملتا ہے۔ ایجنٹ کو تلاش کرنے کے لئے دھکے کھانے پڑتے ہیں۔

اب حالت یہ ہے کہ ماہی گیروں نے اپنی کشتیاں نکال کر باہر رکھ دی ہیں اور خود نائیلون کے دھاگے، فلوٹ اور انجن کے لئے کراچی فیشریز میں دھکے کھا رہے ہیں۔ انہیں یہ کہہ کر ٹال دیا جاتا ہے کہ ڈائریکٹر صاحبان کی میٹنگ آج ہوگی، کل ہوگی۔ لیکن آج تک میٹنگ نہیں ہوسکی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض ڈائریکٹر خود کئی لانچوں کے مالک ہیں۔ سرمایہ داروں سے دوستی ہے۔ ان کے دوستوں کو منافع مل رہا ہے۔ ایسی صورت میں میٹنگ کی کیا ضرورت ہے؟

ایک طرف روزانہ یہ کہا جارہا ہے کہ ملک شدید ترین معاشی بحران میں مبتلا ہے۔ دوسری جانب حکام کا یہ حال ہے کہ کئی ماہ سے وہ ایک میٹنگ بھی نہیں کرسکے۔ حالانکہ وہ بخوبی جانتے ہیں کہ ماہی گیری کی صنعت سے کروڑوں روپے زرمبادلہ حاصل ہوتا ہے۔ اور اس صنعت کی بقاء کے لئے نائیلون کا دھاگہ، فلوٹ اور انجن شہ رگ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ لیکن وہ اپنے اور اپنے دوست سرمایہ داروں کے مفادات کے پیش نظر میٹنگ تک نہیں کررہے ہیں۔

حکومت بلوچستان نے جس طرح ایک آرڈیننس کے ذریعے بلوچستان کے محکمہ فیشریز کو کراچی سے الگ کرکے کشتیوں اور لانچوں کی فیس مقرر کی ہے۔ اسی طرح بلوچستان کے لئے نائیلون کے دھاگے، انجن، فلوٹ، رسی اور دوسری ضروری اشیاء کا کوٹہ مقرر کرے، کیونکہ صرف محکمہ کو الگ کرنے میں ماہی گیروں کا کوئی فائدہ نہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ بلوچستان کے تمام ماہی گیروں کو کنٹرول ریٹ پر تمام اشیاء مہیا کی جائیں۔

کنری

ٹاؤن کمیٹی نوکر شاہی گٹھ جوڑ کی آماجگاہ بن گئی ہے

بشیر احمد ارائیں

کنری کی ٹاؤن کمیٹی کا سالانہ بجٹ تقریباً آٹھ لاکھ روپے ہے، یہ کمیٹی نوکر شاہی گٹھ جوڑ کی آماجگاہ ہے۔ سیکریٹری ٹاؤن کمیٹی کا آفس ایک مہمان خانہ بن گیا ہے۔ جہاں دن بھر کی محفلیں جمتی ہیں۔ اور چائے کے دور چلتے ہیں۔

ٹاؤن کمیٹی نے کمپاؤنڈروں کو نوٹس جاری کئے کہ وہ پرائیویٹ پریکٹس نہیں کرسکتے۔ لیکن ان پر عمل درآمد نہیں کیا، کمپاؤنڈر اور ڈاکٹر اپنی دوکانیں کھول کر باقاعدہ پریکٹس کررہے ہیں۔ غریب لوگوں کو مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ اپنا علاج ان سے پرائیویٹ کرائیں اور اس ظلم کے خلاف احتجاج کرنے والوں کے لئے ٹاؤن کمیٹی کی انتظامیہ وبال جان بن جاتی ہے ہر طرح سے ان غریبوں کو پریشان کیا جاتا ہے، جس میں یہ بھی شامل ہے کہ ٹاؤن کمیٹی کے بھنگیوں کو ایسے لوگوں کے گھروں کے سامنے گند کچرے کے ڈھیر لگا دینے کے احکام جاری کردیئے جاتے ہیں۔

ٹاؤن کمیٹی نے شہر میں چند نالیاں تقریباً ایک لاکھ روپے کی لاگت سے تیار کی ہوئی ہیں، نالیاں کچرے مٹی سے اٹی رہتی ہیں اور ہر سال ان کی کھدائی کروا کر خزانے سے ہزاروں روپیہ بٹور لیا جاتا ہے، اس وقت نالیاں زمین میں اتنی گہرائی پر دفن ہیں یا یوں کہہ لیجئے کہ نالیوں پر کوڑے کرکٹ کی اتنی زبردست تہہ چڑھ چکی ہے کہ انہیں دوبارہ نکالنے کے لئے موہن جو ڈارو جیسی گہری کھدائی کی ضرورت پڑے گی، ان نالیوں کو گم کرنے کا ایک بڑا مقصد یہ بھی ہے کہ ان کے نہ ہونے سے جو حقیوں کا ٹیکس مل رہا ہے قانوناً نالیوں کی موجودگی میں گھروں کے حوضیوں کا ٹیکس نہیں لیا جاسکتا مگر اس بہانے کمیٹی ماہوار ٹیکس بٹور سکتی ہے۔

ٹاؤن کمیٹی کی پبلک لائبریری سے پچاس فیصد کتب غائب ہیں، اصل کتابوں کی بجائے فحش اور واہیات کتابوں کے ٹائیٹل پھاڑ کر پہلی کتابوں کا نمبر لگا کر خانہ پری کی گئی ہے، لائبریری میں آنے والے رسالے اور اخبار جانے کہاں چلے جاتے ہیں تیسرے دن لائبریری کی میز پر ردی کی حالت میں پہنچتے ہیں، میز پر اکثر اخبارات و رسائل کا ڈھیر لگا رہتا ہے۔ جس میں دو دو ماہ پرانے اخبار موجود ہوتے ہیں۔

ٹاؤن کمیٹی کے تحت ایک میٹرنٹی ہوم چل رہا ہے، جس میں دن بھر کچھ نہیں ہوتا، اور آفس ٹائم ختم ہوجانے کے بعد لیڈی ڈاکٹر کو بھاری فیس ادا کرکے علاج کرایا جاتا ہے شہر میں مریض دیکھتے

کی فیس پچاس روپے ہے اور یہ فیس دے کر کوئی غریب کس طرح ان کی خدمات حاصل کر سکتا ہے۔ غریب مریضوں کے ساتھ ان کا سلوک نہایت نامناسب ہے اور کوئی مریض اس ظلم پر چلائے تو جواب ملتا ہے آفس میں جا کر شکایت کرو، جہاں ان کے بارے میں قطعی کوئی شکایت نہیں سنتا۔ ٹاؤن کمیٹی کی طرف سے ملنے والی دوائیاں جلد ہی ختم ہو جاتی ہیں، اور پھر مریضوں سے دوائیاں نہ ہونے کا بہانہ بنا کر دوائی کی بھاری قیمت وصول کی جاتی ہے۔

مریدکے

نوکرشاہی مشرقی پاکستان کو امریکی سامراج کی منڈی بنا کر برقرار رکھنا چاہتی ہے

نمائندہ الفتح

مزدور ایکشن کمیٹی مریدکے کی مجلس عاملہ نے موجودہ ملکی بحران کو سرمایہ داروں جاگیرداروں کی لوٹ کھسوٹ اور صوبائی و علاقائی استحصال کا نتیجہ قرار دیتے ہوئے اس کا ذمہ دار نوکرشاہی کو ٹھہرایا ہے۔ جو چوبیس سال سے سامراجی اور استحصالی طبقوں کے وسیع تر مفادات کا تحفظ کرتی رہی ہے اور اب مشرقی پاکستان میں نوکرشاہی کے تعاون سے سامراج نواز اور سرمایہ داروں کی ایجنٹ جماعت اسلامی کے مسلح غنڈے عوام دوست افراد کو قتل کر رہے ہیں اس لئے جماعت اسلامی کے مسلح تنظیم کو فوری طور پر غیر مسلح کیا جائے۔ مجلس عاملہ کے اجلاس سے مزدور ایکشن کمیٹی کے کنوینر زبیر رانا اور جنرل سیکرٹری مرید حسین نے خطاب کیا۔

مسٹر زبیر رانا نے اپنی تقریر میں کہا کہ مشرقی پاکستان کے انقلابی استحصالی نظام کے خاتمہ، عوام کی خوشحالی اور وطن کو سامراج کی غلامی سے آزاد کرانے کی جدوجہد کر رہے ہیں۔ لیکن دائیں بازو کے اخبارات انہیں علیحدگی پسند قرار دے رہے ہیں۔ اور جماعت اسلامی کے مسلح غنڈے انہیں قتل کر رہے ہیں۔ حالانکہ علیحدگی پسند اور عوام کے دشمن وہ لوگ ہیں جو انقلابی جدوجہد میں شریک نہیں ہوئے۔ انہوں نے کہا کہ کسی ملک کی بھی آزادی، سالمیت اور اقتدار اعلیٰ اس وقت تک برقرار نہیں رہ سکتا جب تک وہ سامراجی لوٹ کھسوٹ اور سامراج نواز طبقوں سے پاک نہ ہو۔ اب مشرقی پاکستان میں دائیں بازو کی جماعتیں اور نوکرشاہی اجارہ دار سرمایہ داروں کی لوٹ کھسوٹ کے ذریعے اس حصہ کو ماضی کی طرح امریکی سامراج کی منڈی برقرار رکھنے کی تگ و دو کر رہی ہے اس کوشش کو ناکام بنانے کے لئے مشرقی اور مغربی پاکستان کے انقلابیوں کا متحدہ محاذ بنانا وقت کی اہم ضرورت ہے۔

مسٹر زبیر رانا نے کہا کہ سرمایہ دار اور مل مالکان مشرقی پاکستان اور معاشی بحران کا بہانہ بنا کر یہ کہہ کر رہے ہیں کہ ان کا مال نہیں بکتا اس لئے مزدوروں کی برطرفیاں ضروری ہیں یہ بالکل غلط ہے اگر مل مالکان مل نہیں چلا سکتے تو وہ اسے مزدوروں کے حوالے کر دیں مزدور مشرقی پاکستان کے موجودہ بحران کے باوجود ملکی معیشت اور عوام کی دن بدن گرتی ہوئی معاشی حالت کو سنبھالا دے سکتے ہیں۔

انہوں نے کمیٹی کے کارکنوں کو ہدایت کی کہ وہ مزدوروں کو ٹریڈ یونین کی بند ڈبیہ کو توڑنے کی راہ دکھلائیں اور انہیں مزدور سیاست کی راہ پر گامزن کریں۔ کیونکہ جب تک مزدوروں کی اپنی سیاسی تنظیم نہیں ہوتی اس وقت تک انقلابی عمل ادھورا اور بے سود رہے گا۔

مسٹر زبیر رانا نے کہا کہ ایک عرصہ ہوا این ایس ایف کے صدر جناب رشید حسن خاں کے وارنٹ گرفتاری جاری ہونے کی خبر شائع ہوئی تھی۔ اب یہ نہیں معلوم کہ وہ کہاں ہے ان کو ہراساں کرنا عوام اور ملک دشمنی ہے مسٹر زبیر رانا نے ہشت نگر کے کسانوں کو اپنے تعاون کا یقین دلاتے ہوئے۔ مزدور کسان پارٹی کے صدر اسحاق محمد کسان رہنماؤں اور کسانوں کی فوری رہائی کا مطالبہ کیا۔

مزدور ایکشن کمیٹی کے جنرل سیکرٹری مسٹر مرید حسین نے اپنی تقریر میں کہا کہ اب یہ ثابت ہو گیا ہے کہ انتخابات مسائل کا حل نہیں مشرقی پاکستان میں ضمنی انتخابات مسائل حل کرنے کی بجائے مزید الجھا دیں گے انتخابات کے نتیجے میں بنی ہوئی حکومت عوامی مسائل حل نہیں کر سکتی کیونکہ نوکرشاہی ان مسائل کے حل میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے جب تک اسے مفلوج نہیں کیا جاتا اس وقت تک عوامی مسائل جوں کے توں رہیں گے۔

پشاور

ہشت نگر کے مزارعین اپنے حقوق کے تحفظ کیلئے کس کو بلائیں

عبدالصمد جنجو

۲۹-اکتوبر ۱۹۷۱ء کو روزنامہ "دی سن" اور روزنامہ "حریت" میں صوبہ سرحد کی کسان تحریک کے بارے میں ایک خبر شائع ہوئی جس میں علاقہ کے جاگیرداروں نے مزارعین کے خلاف الزام تراشیاں کیں اور حکومت سے اپنی جاگیروں کے تحفظ کی خاطر کارروائی کرنے کا مطالبہ کیا۔ صرف اسی پر اکتفا نہ کی گئی بلکہ حکومت سے کہا گیا کہ اگر اس نے مناسب طور پر ہماری جائیدادوں کا تحفظ نہ کیا تو ہم کو "طاقت کا جواب طاقت" سے دینے کے لئے اپنے آپ کو منظم کرنا پڑے گا۔ اس سے پہلے بھی اسی قسم کی ایک خبر جماعت اسلامی کے ترجمان روزنامہ "جسارت" میں شائع ہو چکی ہے ہفت روزہ "زندگی" اور "ایشیا" نے اپنی کئی اشاعتوں میں انہی خطرناک منصوبوں کا اظہار کیا ہے۔ دونوں اخبارات میں چھپنے والی خبروں کا مکمل متن درج ذیل ہے

پشاور ۲۸-اکتوبر۔ مردان کے جاگیرداروں نے الزام لگایا ہے کہ مزدور کسان پارٹی نے ایک نوجوان کسان فوج قائم کی ہے۔ جس کے ارکان کو گوریلا جنگ کی تربیت دی گئی ہے کسان فوج جدید ترین اسلحہ سے مسلح کی گئی ہے۔

"کسان فوج" کے خلاف الزامات انجمن زمینداران ضلع مردان کی جانب سے جاگیرداروں اور مزارعین کے درمیان ہونے والے تصادم کو حل کرنے کے لئے صوبہ سرحد کے گورنر کی نامزد کردہ کمیٹی کو ایک یادداشت کی شکل میں پیش کئے گئے۔ جاگیرداروں نے حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ ان کی جائیدادوں

الفتح

کے تحفظ کے لئے اقدامات کئے جائیں نہیں تو "طاقت کا جواب طاقت" سے دینے کے لئے اپنے آپ کو منظم کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ انہوں نے کہا کہ مزدور کسان فوج نے ربیع کی فصل میں ان کے حصے سے انکو محروم کر دیا تھا اور اب وہ انہیں خریف کی فصل سے بھی محروم کرنے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔

گذشتہ کئی ماہ سے ضلع پشاور اور مردان میں اور خصوصاً تنگی اور چارسدہ میں جاگیرداروں اور مزارعین کے درمیان جھگڑوں نے اس سال کے آغاز سے ایک خطرناک صورت اختیار کر لی ہے۔ مزارعین نے شکایت کی ہے کہ جاگیردار کسانوں کو ان کی زمینوں سے بڑے پیمانے پر بیدخل کر رہے ہیں (دی سن کراچی)

مردان میں گوریلا فوج کا قیام

پشاور ۲۰ اکتوبر (پی پی آئی) ضلع مردان کے زمینداروں کی ایسوسی ایشن نے الزام لگایا ہے کہ زمینداروں کو خود اپنی زمین پر ملکیت کا دعویٰ کرنے سے باز رکھنے کے لئے ایک باقاعدہ گوریلا فوج قائم کر دی گئی ہے۔ ایسوسی ایشن نے اس کمیٹی کو ایک یادداشت پیش کی ہے جو گورنر سرحد نے زمیندار مزارعین تنازعے کے تصفیے کے لئے قائم کی ہے۔ یادداشت میں کہا گیا ہے کہ اعلامیہ کسان نامی گوریلا فوج جدید ترین ہتھیاروں سے لیس ہے اور اس کے ارکان کو باقاعدہ فوجی تربیت دی جا رہی ہے تنظیم کا مقولہ ہے کہ "جاگیردارو! ہماری زمینوں سے دور رہو" یادداشت میں مزید کہا گیا ہے کہ مزدور کسان پارٹی کے لیڈر افضل بنگش کی قیادت میں پشاور اور مردان میں ایک انتہائی خطرناک اور تخریبی تحریک جاری ہے اس تحریک میں نئے شامل ہونے والوں سے حلف لیا جاتا ہے کہ وہ اس تحریک کے مخالفین سے کوئی تعلق نہیں رکھیں گے۔ جو شخص اس کی خلاف ورزی کرے گا، اس کے خلاف "جلاؤ اور گھیراؤ" کا حربہ استعمال کیا جائے گا، اس کے علاوہ تحریک کا سربراہ جرمانہ بھی کر سکتا ہے "(حریت کراچی)"

مندرجہ بالا خبروں سے استحصالی طبقات کے مکروہ عزائم اور گھناؤنی سازشوں کا ایک دھندلا سا خاکہ نظر آتا ہے انہوں نے حکومت سے جائیدادوں کے تحفظ کا کوئی "مناسب اور معقول" انتظام کرنے کو کہا ہے۔

اس الزام کے جواب میں صرف اتنا عرض ہے کہ مزدور کسان پارٹی کے سینکڑوں رہنما اب بھی پابند سلاسل ہیں، افضل بنگش پشاور جیل میں پچھلے کئی ماہ سے قید ہیں اور میجر اسحاق محمد لاہور قلعہ کی کسی تاریک کوٹھڑی میں اذیتیں برداشت کر رہے ہیں، سینکڑوں کسان بے دخلیوں کے خلاف جدوجہد کرتے ہوئے جاگیرداروں کی گولیوں کا نشانہ بن گئے ہیں۔ ہزارہا کسان نام نہاد مقدمات کے سلسلے میں قانونی بندھنوں میں جکڑے ہوئے ہیں

جنگ - مگر کس لیے؟

پاکستان اور بھارت میں عوامی جنگ ہی امن کی ضامن ہے

"کرش انڈیا" اور "بھارت کو کچل دو" کے نعرے بلند ہو رہے ہیں، یہ بھی کہا جا رہا ہے کہ "یہ جنگ دو ملکوں کے درمیان نہیں دو ملکوں کے عوام کے درمیان ہوگی"۔ عوام کو قربانیاں دینے کی ہدایت کی جا رہی ہے۔ لیکن جنگ کیوں اور کس لئے؟ ۱۹۶۵ء میں بھی ایسے ہی نعرے لگائے گئے تھے۔ قربانیاں طلب کی گئیں تھیں، دیس کی دھرتی گواہ ہے کہ اس کے محنت کش سپوتوں نے کسی بھی قسم کی قربانی سے دریغ نہیں کیا، سرحد کا چپہ چپہ اپنے لہو سے رنگ دیا، یہ جانتے ہوئے کہ بھارت کے عوام بھی اسی طرح سے برلا اور ٹاٹا کے استحصال کا شکار ہیں جس طرح وہ داؤد، سہگل، آدم جی اور ولیکا ایسے سرمایہ داروں کے، دونوں ملکوں کے استحصالی طبقوں میں کوئی فرق نہیں صرف اتنا فرق ہے کہ برلا اور ٹاٹا بڑی جونکیں ہیں، اور داؤد، سہگل آدم جی، ولیکا وغیرہ چھوٹی، پاکستان کے عوام بڑی جونک کو مسلط کرنا نہیں چاہتے تھے، انہوں نے سرحدوں پر اپنا لہو بہایا اپنے دیس کی دھرتی کا سہاگ قائم رکھا۔ لیکن نتیجہ کیا نکلا؟ مزدوروں، کسانوں اور محنت کش عوام کا سرحد پر بہنے والے لہو کو تاشقند میں فروخت کر دیا گیا۔ جیتی ہوئی بازی کانفرنس کی میز پر سودا کر دیا گیا۔ کیونکہ سرحدوں پر بہنے والا لہو حکمران طبقے کا نہیں محنت کش عوام کا تھا۔ اور جب لاہور کے عوام نے اس سودے بازی پر احتجاج کیا۔ تو ان کے سینوں کو گولیوں سے چھلنی کر دیا گیا، انہیں قابل تعزیر ٹھہرایا گیا۔ کیونکہ استحصالی طبقوں اور حکمران طبقے کی لغت میں عوام اس حقیر کیڑے کو کہتے ہیں، جسے کچل کر ختم کر دینا چاہیئے، جس کے پاس ان کے خیال میں نہ فہم ہے نہ ادراک اور نہ سیاسی شعور، جن کا کام صرف استحصالی طبقوں کی پرورش کرنا اور قربانیاں دینا ہے۔

اب بھی اگر جنگ ہوئی تو اس کا بھی نتیجہ وہی ہوگا اعلان تاشقند نہ سہی اعلان واشنگٹن ہوگا۔ کانفرنس کی میز پر ایوب خان، شاستری اور کوسیجن کی بجائے نئے چہرے ہوں گے لیکن ان کی پشت پر وہی ہاتھ اور ذہن کار فرما ہوں گے، جو پہلے تھے۔ یعنی سامراج اور بھارت و پاکستان کے استحصالی طبقے۔ اس جنگ میں بھی عوام کو آزادی - معاشی آزادی نہیں ملے گی۔ استحصالی طبقے بدستور عوام پر مسلط رہیں گے اور دونوں ملکوں کے مظلوم عوام کے درمیان نفرت کی دیوار کو بلند سے بلند کرتے رہیں گے۔

"عظیم رہنما چیئرمین ماؤزے تنگ نے کہا ہے "جنگیں دو طرح کی ہوتی ہیں۔ ایک ناجائز اور دوسری جائز" ناجائز جنگیں سرمایہ دارانہ نظام کی پیداوار ہوتی ہیں، جب یہ ممالک معاشی بحران سے دوچار ہوتے ہیں۔ تو وہ منافع حاصل کرنے، معاشی بحران کو دور کرنے اور عوام میں بڑھتے ہوئے شعور کو روکنے کے لئے اندھا دھند ہتھیار بندی اور صنعت کو فوجی شکل دے کر تجارتی منڈیوں کے لئے جنگ کرتے ہیں۔ یہ جنگیں عوام کو محکوم بناتی ہیں، اپنے ملک کے عوام کے دکر محکومی کی زنجیروں کو اور زیادہ کستی ہیں۔ جبکہ جائز جنگیں عوام کو استحصال سے نجات دلاتی ہیں، استحصالی طبقوں کو نیست و نابود کرتی ہیں۔ اور عوام کو معاشی آزادی سے ہمکنار کرتی ہیں

آج ہر فرد کو اپنے بارے میں یہ فیصلہ کرنا ہے کہ وہ کس کے ساتھ ہے۔ ناجائز جنگ کے ساتھ یا جائز جنگ کے ساتھ، اس جنگ کے ساتھ جو محکوم بناتی ہے اور استحصال کی گرفت مضبوط کرتی ہے۔ یا اس جنگ کے ساتھ جو آزادی کی جوت جگاتی ہے۔ اور استحصالی طبقوں کو نیست و نابود کر کے عوامی جمہوریت قائم کرتی ہے۔

مزارعین کس سے مطالبہ کریں، کس سے فریاد کریں اور اپنے معاش کے تحفظ کے لئے کس طاقت کو بلائیں؟ مزارعین کے رفیق دوست اور ساتھی ملک کے یہی ننگے بھوکے اور مظلوم عوام ہیں۔ محنت کشوں کا اتحاد اور تنظیم ہی مزارعین کی مدد کر سکتی ہے۔ مزارعین صرف اور صرف عوام سے ہی فریاد کر سکتے ہیں۔

بائیں بازو کے مختلف گروہوں، حلقوں اور جماعتوں کا اس موقع پر یہ اولین فریضہ بن جاتا ہے کہ وہ اپنے قیادتی، گروہی اور دیگر غیر اہم تضادات کو پس پشت ڈال کر ہشت نگر کے مزارعین کی حمایت کریں اور سرحد کے مزارعین کی ہر ممکن مالی و اخلاقی مدد کریں۔

بنگال، پنجاب، سندھ، بلوچستان اور سرحد پر جگہ رجعت پسند جاگیردار اور سرمایہ دار ال کر فاشسٹ تنظیمیں کھڑی کر رہے ہیں تاکہ بائیں بازو کے کارکنان اور عوام کا قتل عام کیا جا سکے اور انڈونیشیا کا خونیں ڈرامہ رچایا جائے۔ آج وطن عزیز کی تمام رجعت پسند طاقتیں جماعت اسلامی کی دھمکی کہ "ہم پاکستان کو انڈونیشیا بنا دیں گے" اور "زبانیں کھینچ لی جائیں گی" کو حقیقت بنانے پر تلی ہوئی ہیں اور ان کا پہلا نشانہ ہشت نگر کے مظلوم کسان ہیں۔

راولپنڈی

اپنے حقوق طلب کرنا جرم نہیں

نوائے طلبا، راولپنڈی نے مزدور کسان پارٹی کے صدر اسحاق محمد، سرحد کے کسان راہنماؤں افضل بنگش، شیر علی باچہ، قادر خاں، فرید اللہ خان اور ساڑھے تین ہزار پابند سلاسل کسانوں کی فوری رہائی کا مطالبہ کیا ہے۔ اخباری اعلامیہ میں کہا گیا ہے کہ اگر ان پر کوئی الزام ہے تو قانون کے تحت کھلی عدالت میں مقدمہ چلایا جائے۔ اس بیان میں کہا گیا ہے کہ جب مشرقی پاکستان میں تخریب کاروں کو عام معافی دے دی گئی ہے تو مزدوروں اور کسانوں کے راہنماؤں کو کیوں نہیں رہا کیا جاتا۔ کیا ان کا جرم زیادہ سنگین ہے۔ ان راہنماؤں اور کسانوں کا اگر کوئی قصور ہے تو صرف یہ کہ انہوں نے اپنے حقوق کے لئے جدوجہد کی۔ حق کے لئے جدوجہد کرنا کسی قانون میں جرم نہیں۔ اس کے علاوہ بغیر جرم ثابت کئے نظر بند رکھنا جمہوری اور شہری آزادیوں کے منافی ہے۔

صفحہ ۱۲ سے آگے

صرف پانچ فیصد مریضوں کا علاج مفت کرنے کی اجازت مل سکتی ہے

پارسی یا ہندو ہونے کو امتیازی حیثیت حاصل نہیں ہوتی، ان میں ایک ہی قدر مشترک ہوتی ہے کہ لوٹ کھسوٹ کس طرح قائم رہے، اس کے لئے طریقے اور رفارمولے بھی یکساں ہوتے ہیں، خیراتی اداروں کے نام پر اس قسم کا ڈھونگ رچانے کے علاوہ ایک اور بھی دھندا کرتے ہیں اور وہ دھندا نوکر شاہی کو گہری ہمدردیاں جتا کر ان سے فوائد حاصل کرنے کا ہے، کائیکی اس فن میں مقابلتاً زیادہ شاطر ہے۔ وہ چڑھتے سورج کا جیتا جاگتا پجاری ہے، جب دیکھتا ہے کہ ملک میں سیاسی طاقتیں زور پکڑ رہی ہیں، تو وہ سیاستدان کا روپ دھار لیتا ہے اور جب ملک میں مارشل لاء حکام زمام اقتدار سنبھال لیتے ہیں تو وہ اپنی تمامتر ہمدردیاں ان کے ساتھ وابستہ کر دیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ ان میں سے کسی کے ساتھ بھی مخلص نہیں۔

ثبوت ملاحظہ فرمایئے۔

یہ کائیکی کا ایک خط ہے جو اس نے ۱۲ اپریل ۱۹۶۹ء کو جنرل اے ایم یحییٰ خان چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر اور صدر پاکستان کے نام لکھا تھا۔ خط انگریزی میں ہے اور اس کا عنوان ہے

آپ کی جانب سے مارشل لاء ختم کرنیکی دھمکی

ہم کراچی کے ان ہزاروں میں سے ہیں، جو وقتاً فوقتاً آپ کے مارشل لاء ختم کرنے، آزادانہ انتخابات کرانے اور پرانا پارلیمانی طرز حکومت جاری کرنے سے متعلق بیانات پر دل مسوس کر رہ جاتے ہیں۔

ملک کے لاکھوں شہریوں کی طرح ہم بھی سیاسی حکومت کے قیام اور جمہوریت کی بحالی کے بارے میں اعلانات سن کر لرز اٹھتے ہیں! اقتدار سیاستدانوں کو سونپنے کا ایک ہی نتیجہ ہوگا اور ۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۸ء تک کے غیر یقینی حالات کشمکش اور خون خرابے کی عکاسی کرے گا۔

آج ملک کا ہر شہری خوش ہے۔ موجودہ حکومت کے زیر سایہ دن بخیر و خوبی گزر رہے ہیں، آپ اسے جو چاہے مرضی کہیں، ہمارے نزدیک موجودہ طرز حکومت عوام کے مزاج اور قومی تقاضوں کے عین مطابق ہے۔

اس میں کیا خرابی ہے؟ کون شکایت کر رہا ہے؟ کون پس رہا ہے؟ پھر آپ ہم پر آزادانہ انتخابات، پارلیمانی حکومت کیوں ٹھونسنا چاہتے ہیں، یہ کون مانگ رہے ہیں؟ کیا آپ اس اقدام سے غیر ملکی طاقتوں اور جمہوری دنیا کو خوش کرنا چاہتے یا پاکستان کے جوان برابر لوگوں کی خوشی درکار ہے۔ پاکستان میں یہ اقلیت صحافیوں، سیاستدانوں اور کتابی کیڑوں پر مشتمل ہے جو ملک کی اکثریت کی مرضی کے برعکس یہ چاہتے ہیں۔

اس ضمن میں ایک درخواست ہے کہ مذکورہ اقدام سے پہلے ملک میں ریفرنڈم کرا لیجئے کہ وہ موجودہ حکومت سے خوش ہیں یا پھر سیاسی اقتدار کے خواہش مند ہیں، ملک میں مارشل لاء حکومت کے قیام کا اعلان کافی تاخیر سے ہوا۔ جبکہ ہزاروں معصوم عوام قتل ہو گئے، زندہ انسانوں کو نذر آتش کر دیا گیا۔ صنعت کا پہیہ جام ہو گیا۔ اس میں صرف سیاستدانوں، غنڈوں اور موقع پرستوں نے مال کمایا، اب گلیوں میں کوئی فوجی نہیں، کوئی مظلوم نہیں رہا، اور حقیقت یہ ہے کہ نوکر شاہی اور سرخ فیتہ پہلے کی نسبت اب کمزور پڑ گیا ہے

پورے ملک میں مقناطیسی انداز میں ایک خوشگوار تبدیلی نے جنم لیا ہے، ہر شخص دیانتداری، خلوص اور ملک کے بہترین مفاد کے پیش نظر کام میں مصروف ہے۔ گلیاں صاف ہیں اور ہر شہری اپنی ذمہ داریاں پوری کر رہا ہے، جن لوگوں کو نقصان پہنچا ہے۔ (ان کی تعداد بھی زیادہ نہیں) ان میں نااہل اور بددیانت افسر اور خر دماغ صنعت کار شامل ہیں۔

آج ہر شہری شاداں ہے، ملک خوشحال ہے۔ پھر آپ سیاست کی بحالی اور آزادانہ انتخابات کی دھمکیاں کیوں دے رہے ہیں۔ کیوں جمہوری حکومت کے قیام کا اعلان کر رہے ہیں اس کی کسی کو ضرورت نہیں، ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں۔

آپ کے وفادار

برائے فرخ کیمیکل انڈسٹریز لمیٹیڈ

دستخط، کے، آر، ایس، کیٹن،

مینیجنگ ڈائریکٹر

اس کے برعکس حقیقت یہ ہے کہ کائیکی عوامی لیگ کا باقاعدہ اور فعال رکن رہا ہے۔ اس جماعت کی سیاست میں اپنے مقاصد کو سامنے رکھ کر بھرپور حصہ لیا، اس کی سیاسی زندگی ایک الگ داستان ہے۔ محمود اعظم فاروقی، زبیڈ ایچ، لاری اور دوسرے رہنماؤں سے خط و کتابت اور ۱۹۶۴ء کے انتخابات میں باضابطہ شرکت مسٹر کائیکی کی سیاسی شخصیت کا بھرم کھولنے کے لئے کافی ہے۔

(نامکمل)

مودودی تائیوان کی حکومت کو تسلیم کرتے ہیں: صفحہ ۹ سے آگے

عناصر کو فوج کی مدد سے باہر نکالنے میں گیارہ سال لگے۔ یہ ہے مزدور جنت کی حقیقت

(سوشلزم اور مزدور)

"ستم بالائے ستم یہ ہے کہ اب ان مسلمانوں پر "ریڈ گارڈز" طرح طرح کے بھیانک مظالم ڈھا رہے ہیں۔ ان کی مسجدیں مسمار کی جا رہی ہیں اور مسلمان لڑکیوں کو پکڑ کر زبردستی ان کی شادیاں چینیوں سے کرائی جا رہی ہیں۔ اس طرزِ عمل کی وجہ سے سنکیانگ اور دوسرے علاقوں کے عوام آمادۂ بغاوت ہیں۔ اِن کی بغاوت کو اسلحہ کے زور پر دبایا جا رہا ہے"۔ (اسلامی سوشلزم)

مزے کی بات یہ ہے کہ جماعتِ اسلامی کے ترجمان "جسارت" کے مدیر کہہ رہے ہیں کہ چین میں مسجدیں مسمار کی جا رہی ہیں۔ لیکن اسی کا ترجمان "ایشیا" لکھتا ہے کہ ۱۹۳۸ء میں قوم پرستوں کے دورِ حکومت میں ۳۷ ہزار مسجدیں تھیں جو ۱۹۵۲ء تک چالیس ہزار ہو گئیں۔

("ایشیا" مورخہ ۷ نومبر ۱۹۷۱ء)

انتخابی مہم کے دوران جماعتِ اسلامی کے اخباروں اور رسالوں نے چین کے خلاف شر انگیز مضامین شائع کیے۔ خصوصاً "جسارت" میں محمد نیاز نامی ایک شخص نے یہ طویل سلسلہ وار مضمون چین کے مسلمانوں کے بارے میں لکھا۔ جس کا مواد ہانگ کانگ کے امریکی اشاعتی ادارے کی کتابوں "چین کے مسلمان" اور "چین میں مسلمانوں کا ماضی اور حال" سے لیا گیا تھا۔ جو دہلی سے شائع ہوئی تھیں۔ ہانگ کانگ کے اشاعتی ادارے کا نام "انٹرنیشنل اسٹیڈیز گروپ ہانگ کانگ" ہے۔ جو سی آئی اے کا ذیلی ادارہ ہے۔ اس ادارے کا کام چین دشمن لٹریچر شائع کرنا ہے جس کا معاوضہ دس ڈالر فی صفحہ ہے۔ تائیوان، اسرائیل اور بھارت اس ادارے کے خاص معاونین ہیں۔ "الفتح" اپنے ایک شمارے (۱۶-۲۳ جولائی ۷۰ء) میں اس ادارے پر تفصیلی مضمون شائع کر چکا ہے۔

جماعتِ اسلامی والے چین دشمنی میں اتنے آگے بڑھے کہ مشرقی پاکستان جماعتِ اسلامی کے امیر پروفیسر غلام اعظم نے چین پر مشرقی پاکستان کی علیحدگی کی سازش میں ملوث ہونے کا الزام لگایا۔ فرماتے ہیں۔

"یہ بات تو پہلے سے لوگوں کو معلوم ہے کہ امریکہ مشرقی پاکستان کو علیحدہ کرنا چاہتا ہے۔ تاکہ مشرقی پاکستان بھارت کے ساتھ مل کر چین کا مقابلہ کر سکے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بھارت چین کے خلاف جارحانہ لڑائی صرف آسام کی سرحد پر لڑ سکتا ہے باقی مقامات پر سرحد ہموار نہیں اور چینی علاقے کی سطح بھارتی علاقے سے بلند ہے۔ آسام تک پہنچنے کے لیے مغربی بنگال سے راستہ جاتا ہے۔ یہ راستہ مشرقی پاکستان کی سرحد کے ساتھ ساتھ (۷ میل چوڑی پٹی کی صورت میں) گزرتا ہے۔ اگر مشرقی پاکستان کے تعلقات بھارت سے کشیدہ ہوں تو یہ پٹی بھی کھلی نہیں رہ سکتی۔ ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ کے دوران بھارت نے یہ راستہ غیر محفوظ سمجھ کر اس کے ذریعے نقل و حرکت بند کر دی تھی۔ چنانچہ چین سے لڑنے کے لیے پاکستان کے ساتھ بھارت کے خوشگوار تعلقات ضروری ہیں۔ پاکستان مسئلہ کشمیر کے حل کے بغیر بھارت سے تعاون کرنے کے لیے تیار نہیں۔ اس لیے امریکہ کے سامنے چارہ کار یہی ہے کہ مشرقی پاکستان میں علیحدگی کی تحریک پیدا کی جائے۔ جب سے روس اور امریکہ کے درمیان پرامن بقائے باہمی نے جنم لیا ہے۔ دونوں میں اس منصوبے پر بھی اتفاق رائے ہو گیا ہے۔ دونوں چین کے مقابلے کے لئے "آزاد مشرقی بنگال" کے منصوبے کو سراہنے لگے ہیں۔ چین پہلے اس منصوبے کا سخت مخالف تھا لیکن مغربی بنگال میں چین نواز کمیونسٹ پارٹی مضبوط ہو جانے سے اس کے خیال میں بھی تبدیلی آئی ہے۔ اب مشرقی بنگال، مغربی بنگال اور آسام کو ملا کر اگر ایک متحدہ کمیونسٹ حکومت قائم ہو جائے تو چین اور بھارت کے درمیان مضبوط دیوار حائل ہو جائے گی اور بھارت پر نظریاتی یلغار بھی جاری رہ سکے گی۔ اس مجوزہ حکومت کی چین براہ راست حفاظت بھی کرے گا (نمائندہ زندگی سے انٹرویو۔ ۵ جنوری ۱۹۷۰ء)

دیکھا آپ نے، پروفیسر غلام اعظم کتنی بے شرمی سے شرانگیز الزام چین پر لگا رہے ہیں۔ ۲۵ مارچ ۱۹۷۱ء کے بعد کے واقعات اس الزام کی سراسر تردید کرتے ہیں۔ کالعدم عوامی لیگ جس پر علیحدگی پسندی کا الزام لگایا جاتا ہے اُسے حمایت ملی تو روس، امریکہ، برطانیہ سے عوامی جمہوریہ چین نے بروقت اُسے پاکستان کا داخلی معاملہ قرار دیکر اور جارحیت کی صورت میں پاکستان کی حمایت کا اعلان کر کے نہ صرف بھارتی جارحیت کو روک دیا بلکہ امریکی سامراج کو بھی غیر جانبداری کا اعلان کرنا پڑا۔

یہ چند مثالیں اس بات کی عکاس ہیں کہ جماعتِ اسلامی پاکستان کو اس کے واحد دوست چین سے بھی محروم کرنا چاہتی ہے تاکہ یہاں بھی کوئی سوہارتو یا شاہ حسین برسرِ اقتدار آ کر ملک کو امریکی سامراج کے ہاں گروی رکھ دے۔

رجعت پسند پاکستانی سیاسی راہنماؤں کے چین دشمن بیانات "الفتح" اپنے شمارے ۶-۱۳ مئی ۱۹۷۱ء میں شائع کر چکا ہے۔



الفتح

عمر=۱۲سال - محنت=۱۰گھنٹے معاوضہ=۲روپے

احتشام زرین فاروقی

صاحب ہمارے ملک میں نہ صرف بالغ عمر کے لوگ روٹی حاصل کرنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں بلکہ اکثر بچے بھی وہ جن کی عمر پندرہ سولہ سال سے کم ہوتی ہے اپنے گھر کے اخراجات پورے کرنے کے لئے کاموں میں لگ جاتے ہیں۔

روس کا مشہور ادیب میکسیم گورکی بچوں کو بہاروں کا نقیب کہتا ہے یعنی بہاروں کی اطلاع دینے والے مگر یہاں تو غربت کے مارے بچوں کے چہرے بھوک سے زرد نظر آتے ہیں اقبال اور انور بھی اپنے گھر کے لئے بڑی محنت کرتے ہیں۔ ان دونوں کی عمریں بالترتیب دس اور بارہ سال ہے یہ بچے سارا دن قالین بنتے رہیں۔ ان کی ماں نے مالک کی خوشامد کر کے ایک ایک کھڈی اپنے گھر پر لگوالی ہے۔ اسے اس شہر کی تیز رفتار گاڑیوں سے بہت ڈر لگتا ہے اسے خوف ہے کہ اس کے لڑکے کہیں پیٹ کی خاطر خدا نخواستہ...... یہ بچے دن میں نو دس گھنٹے محنت کرتے ہیں تب انہیں مجموعی طور پر چار روپے ملتے ہیں۔ اقبال اور انور عمر کے شروع حصے میں مشقت کر رہے ہیں اس میں تو ان کو اچھی غذا آرام اور تعلیم کی ضرورت ہے۔ لیکن یہ بے چارے تو ہر آسائش سے دور صرف دو روٹی کی خاطر صبح سے شام کر دیتے ہیں یہ دونوں مل کر مہینے میں ایک سو بیس روپے کماتے ہیں لیکن پھر بھی غذا پوری نہیں ملتی اگر آرام کریں گے۔ تو پیسے کہاں سے ملیں گے رہی تعلیم تو اس کے لئے کام کی وجہ سے وقت نہیں ملتا۔ دوسری بات یہ کہ تعلیم ایک بکاؤ چیز ہے جس کے پاس پیسے ہوتے ہیں وہ خرید لیتا ہے۔ جب ہم ان کے گھر پہونچے تو ایک لڑکی باہر آئی اور حسرت سے دیکھنے لگی اور اس سے پہلے کہ ہم اپنا مقصد بیان کرتے وہ اپنی ماں کو آواز دے کر کہنے لگی "اماں یہ غیر ملکی آئے ہیں مجھے جیسے ایک دھکا سا لگا یا تو وہ لڑکی غیر ملکی کا مطلب نہیں جانتی تھی اور یوں ہی کہہ دیا یا پھر اپنی ٹوٹی پھوٹی جھونپڑیوں کی دنیا کے باہر سے آنے والوں کو غیر ملکی کہا ہو۔ پھٹا ہوا پردہ ہٹا کر جب ہم اندر داخل ہوئے تو یہ اندازہ ہوا کہ ان کی جھگی پچیس گز زمین پر بنی ہوئی تھی اور اس ہی میں چار گز زمین کے قریب قالین بننے کی کھڈی لگی ہوئی تھی اسی طرح ان لوگوں کے رہنے کے لئے اکیس گز زمین تھی ان کے خاندان میں کل دس افراد ہیں آٹھ بچے اور دو ماں باپ اس طرح ایک آدمی کے حصے میں دو گز اور ایک فٹ زمین آتی ہے کتنی مشکل ہے ان کی زندگی۔ ان بچوں کا باپ ایک کپڑے کی مل میں نوکر ہے اس کی عمر پچاس برس سے زیادہ ہے اور اکثر جسمانی تکلیفوں میں گرفتار رہتا ہے جس دن کام پر نہیں جاتا اس دن کے پیسے نہیں ملتے ویسے اگر ٹھیک رہے تو مہینے میں ایک سو پچاس روپے ملتے ہیں اس میں سے بیس پیسے روز کرائے کے حساب سے چھبیس دن کے ہوئے پانچ روپے بیس پیسے اور باہر کھانے پینے میں پچاس پیسے خرچ ہوتے ہیں اس طرح چھبیس دن کے تیرہ روپے ہوئے کبھی کمی بیشی بھی ہو جاتی ہے ویسے بیس روپے مہینہ مل گے جانے آنے پہ خرچ ہوتے ہیں اور پندرہ روپے مہینہ سوشل سکیورٹی کے کٹ جاتے ہیں اس طرح وہ صرف ایک سو اور پندرہ روپے گھر لاتا ہے۔

اقبال اور انور مہینے میں چھبیس دن کام کرپاتے ہیں یوں مہینے میں ایک سو اور چار روپے بنا پاتے ہیں۔ اس طرح تین آدمیوں کی مجموعی کمائی دو سو اور انیس روپے ہوئی اب ان کو دس افراد میں تقسیم کیا جائے تو ایک آدمی کے حصے میں اکیس روپے اور نوے پیسے آئے ہیں۔ اسی میں اسے کھانے اور کپڑے کے علاوہ یہاں کی سب سے بڑی سوغات بیماری پر بھی خرچ کرنا ہوتا ہے مستقبل کے لئے بچا کر رکھنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ غریب ہمیشہ غریب ہی رہتا ہے اور مفلسی کے بھاری بوجھ تلے دب کر مر جاتا ہے ☼

قارئین کہتے ہیں

حقیقی جمہوریت کا تصور کمیونسٹ معاشرے ہی میں ملے گا

"اظہار خیال" کے کالم میں بہت عرصہ پہلے ظفر اللہ پوشنی کا ایک مضمون "جمہوریت" پر پڑھا۔ مجھے ان کے مضمون کے آخری حصے سے اختلاف ہے موصوف لکھتے ہیں "۔ کمیونسٹ بھی اپنے آپ کو ایک حقیقی جمہوریت پسند کی صورت میں پیش کرتے ہیں ان کا یہ دعویٰ بھی محض خیالی ہے کمیونسٹ ریاستوں میں کھلی تنقید اور تحریر و تقریر کی وہ آزادی نہیں ہے جو ایک حقیقی جمہوری ملک میں ہونی چاہیئے"۔

موصوف کے ان جملوں کے جواب میں مجھے صرف یہ کہنا ہے کہ صرف ایک کمیونسٹ معاشرہ ہی میں حقیقی جمہوریت عملی شکل میں دیکھی جا سکے گی۔ اس وقت دنیا میں کوئی ملک ایسا نہیں جہاں کا معاشرہ کمیونسٹ اسٹیج میں پہنچ چکا ہو زیادہ تر ممالک جن میں کمیونسٹ پارٹیاں برسر اقتدار ہیں سوشلسٹ سٹیج ہی سے نہیں نکل سکی ہیں سوشلسٹ سے کمیونسٹ معاشرہ کی سٹیج تک پہنچنے کے زمانے تک ملک کے اندر مزدور کسان طبقہ کی آمریت ہوتی ہے ایسے ممالک میں جمہوریت صرف مزدور و کسان طبقات کے لئے ہے سوشلسٹ انقلاب کے دفاع کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ سابقہ استحصالی طبقات سے تعلق رکھنے والے افراد کو اپنے نظریات کے پرچار کی اجازت نہ دی جائے ایسے ملک کی مثال ہمیں چند ممالک میں ملتی ہے، چین ان میں سب سے بڑا ملک ہے جس میں مزدور کسان طبقہ ملک کی کل آبادی کا سب سے بڑا حصہ ہے گذشتہ بیس سال میں چین کے عوام نے استحصالی طبقات کو اپنے برپا کئے انقلاب کے ذریعے ختم کرنے کے بعد جس تیزی سے ایک حقیقی جمہوری معاشرہ کی تشکیل کی طرف قدم بڑھایا اس سے امید بندھتی ہے کہ چین میں مستقبل میں وہ حقیقی جمہوری معاشرہ جنم لے گا جس کی طرف ظفر اللہ پوشنی نے اشارہ کیا ہے۔ چین کے ثقافتی انقلاب کے بعد خصوصاً یہ امید اور قوی ہو گئی ہے۔

ظفر اللہ پوشنی جن کمیونسٹوں کا ذکر کرتے ہیں یہ وہ کمیونسٹ ہیں جو ابھی کمیونسٹ معاشرہ تک پہنچنے سے پہلے ہی ایک غیر طبقاتی معاشرہ قائم کرنے کے

دعویدار ہیں کمیونسٹوں کے اس کیمپ میں روس اور مشرقی یورپ کے زیادہ تر ممالک شامل ہیں یہ ممالک وہ ہیں جنہیں اصطلاح عام میں ترمیم پسند کہا جاتا ہے ان ممالک میں سے روس ایسا ملک ہے جس میں سوشلسٹ انقلاب ایک کمیونسٹ پارٹی نے برپا کیا لیکن خارجی حالات کی بنا پر اور صنعتی انقلاب برپا کرنے کی تند جدوجہد میں کمیونسٹ پارٹی کی قیادت مزدور طبقے کی انقلابی سوچ کے حامل لوگوں کے ہاتھوں سے نکل کر ٹیکنو کریٹس کے ہاتھوں میں چلی گئی۔ یہ سارا سلسلہ لینن کے مرنے کے بعد سے شروع ہو گیا تھا۔ اور اسٹالن کے مرنے تک اپنی انتہا کو پہنچ گیا تھا۔ زرعی میدان میں روس کی کمزوری روزمرہ کی ضروریات کی کمی ملک میں وقتاً فوقتاً ہونے والی تظاہیر یہ سب اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ مسائل کو عوامی طریقوں سے حل کرنے کی بجائے بیورو کریٹس کے طور طریقے اپنائے گئے اسٹالن کے مرنے کے بعد خروشچیف کی بجائے بیورو کریٹس کے طور طریقے اپنائے گئے۔ اسٹالن کے مرنے کے بعد خروشچیف کی ۱۹۵۶ء کی تاریخی تقریر نے ٹیکنو کریٹس کا کمیونسٹ پارٹی پر قبضہ مکمل بنا دیا ہے۔ اب روسی کمیونسٹ پارٹی کا دعویٰ ہے کہ ملک کے اندر غیر طبقاتی معاشرہ پیدا ہو چکا ہے اس لئے ملک کے اندر مزید طبقاتی جدوجہد کی ضرورت نہیں، لیکن روس سے آنے والی اطلاعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ عوام کو سیاست سے بالکل الگ تھلگ کر دیا گیا ہے اور عوام الناس کھلم کھلا سیاست میں حصہ نہیں لیتے تمام مسائل کو عوامی سطح پر تجزیہ و تنقید کرنے کی بجائے۔ آفسوں میں بیٹھ حل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اس طرح عوام اور حکومت کے درمیان ایک دوری سی پیدا ہو گئی ہے ایک حقیقی کمیونسٹ معاشرے میں طبقات ختم ہو جاتے ہیں طبقاتی معاشرے کے پیدا کردہ سوچ و فکر کے طور طریق ختم ہو جاتے ہیں۔

سوشلسٹ انقلاب کے آنے سے غیر طبقاتی معاشرہ وجود میں نہیں آ جاتا استحصالی طبقات شکست کھا جاتے ہیں لیکن ان کے نظریات ختم نہیں ہو جاتے طبقاتی جدوجہد کی شکل بدل جاتی ہے نظریات اور سوچ کا بدلنا ایک لمبا اور طویل ارتقائی مرحلہ ہے جس کے لئے مزید انقلابوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ یہ انقلاب جسے ثقافتی انقلاب کا نام دیا گیا ہے اس راہ پر ایک راست قدم ہے لیکن جن جاگیردارانہ اقدار کو بننے میں سینکڑوں سال لگے ہوں ان کی مکمل بیخ کنی کے لئے کافی عرصہ چاہیئے اس لئے ظفر اللہ پوشنی صاحب کو کمیونسٹ ریاست کا ذکر کرتے ہوئے سوچ لینا چاہیئے کہ وہ جس کمیونسٹ ریاست کا ذکر کر رہے ہیں وہ حقیقی معنوں میں کمیونسٹ ریاست ہے یا وہاں کی حکومت اپنے آپ کو کمیونسٹ ریاست کہتی ہے

(ڈاکٹر انیس عالم - لاہور)

صفحہ ۱۴ سے آگے

نورالامین نے بنگالی اور غیر بنگالی میں نفرت کی بنیاد ڈالی

اس دور کے وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین نے پلٹن میدان کے جلسۂ عام میں "اردو ہی پاکستان کی واحد سرکاری زبان ہو گی" کا اعلان کرنے سے قبل مجھے اس بارے میں کچھ نہیں بتایا اور نہ ہی مجھ سے مشورہ کرنے کی ضرورت محسوس کی۔۔۔ مجھے علم نہیں تھا کہ خواجہ صاحب سرکاری زبان کے بارے میں یہ اعلان کریں گے ڈائس پر میں وزیر اعظم کی بغل میں بیٹھا ہوا تھا۔ انہوں نے جب اپنی تقریر کے دوران کہا "اردو ہی پاکستان کی واحد سرکاری زبان ہو گی" تو مجھے یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ چنگاری بھڑک اٹھی ہے۔"

قارئین نے مندرجہ بالا سطور پڑھ کر محسوس کیا ہو گا کہ نورالامین نے کتنی ہوشیاری سے ۵۲ء کی لسانی تحریک ابھرنے کی ساری ذمہ داری ناظم الدین کے سر تھوپ دی ہے اور خود کو بنگلہ زبان کو سرکاری زبان قرار دینے کا حامی قرار دینے کی کوشش کی حالانکہ ایک سچے مسلم لیگی کی حیثیت سے ان کا فرض تھا کہ وہ بھی قائد اعظم محمد علی جناح اور ناظم الدین کی طرح اردو کو پاکستان کی واحد سرکاری زبان قرار دینے کے اعلان کی حمایت کرتے جب کہ یہ کل پاکستان مسلم لیگ کا متفقہ فیصلہ تھا۔ لیکن انہوں نے اس دور میں اپنے "مخصوص سیاسی موقف" کا اعلان نہیں کیا اور اس کی بظاہر وجہ "پارٹی ڈسپلن" قرار دی لیکن اس واقعہ کے اٹھارہ سال بعد انہیں جب مضمون لکھنے کا موقع ملا اور ہر جانب سے انہیں مشرقی پاکستان میں جمہوریت کا پہلا قاتل قرار دیا جانے لگا تو انہوں نے نہایت ہوشیاری سے خود کو بنگلہ زبان کو سرکاری زبان قرار دینے کا سب سے بڑا حامی ثابت کرتے ہوئے اس کی ساری ذمہ داری بے چارے ناظم الدین پر ڈال دی حالانکہ اس دور کے وزیر اعظم ناظم الدین نے قائد اعظم محمد علی جناح کے اعلان پر صاد کیا تھا۔ قائد اعظم نے ہی سب سے پہلے ڈھاکہ اور پھر چاٹگام میں کہا تھا کہ اردو اور صرف اردو ہی پاکستان کی واحد سرکاری زبان ہو گی جس پر طلباء کے ایک حلقہ نے احتجاج کیا تھا۔ آج کے دور کے نام نہاد "قائد پاکستان" نورالامین اپنے زیر بحث مضمون لکھتے وقت یہ بھول گئے تھے کہ وہ اردو کو پاکستان کی سرکاری واحد زبان قرار دینے کے سلسلہ میں جس طرح ناظم الدین کو مورد الزام ٹھہرا رہے ہیں یہ الزام بالواسطہ طور پر قائد اعظم محمد علی جناح پر بھی عائد ہوتا ہے کیونکہ ناظم الدین نے محض قائد اعظم کے معتمد رفیق کار کی حیثیت سے ان کے فیصلہ پر صاد کیا تھا۔ یہ ان کا اپنا فیصلہ نہیں تھا۔

نورالامین کو اس کا شدید احساس ہے کہ دنیا انہیں ۱۹۵۲ء کی لسانی تحریک کا "جنم داتا" سمجھتی ہے چنانچہ وہ اپنے مضمون میں آگے چل کر لکھتے ہیں۔۔۔۔
۲۱ فروری کو فائرنگ کے وقت میں اسمبلی میں تھا اس حادثے کے بعد ہی مجھے تمام باتوں کا علم ہوا فائرنگ سے قبل مجھے اس کے بارے میں کچھ علم نہیں تھا یہ شہری حکام کی ذمہ داری تھی اس سلسلے میں بحیثیت وزیر اعلیٰ مجھ سے ہدایت طلب نہیں کی گئی تھی جائے وقوعہ پر اس دور کے ڈی آئی جی پولیس اور ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ موجود تھے انہوں نے ہی مختلف اقدامات کئے مجھے جب صورت حال کا علم ہوا تو حالات میرے قابو سے باہر ہو چکے تھے اس اندوہناک سانحے کے سلسلے میں ذاتی طور پر کتنا ہی غم اور قلق کیوں نہ ہوا ہو امن و امان کی بحالی کے لئے مجھے ایک غیر جانبدار حاکم کا کردار ادا کرنا پڑا تھا"۔

قارئین نے محسوس کیا ہو گا کہ نورالامین نے کتنی چابکدستی سے اس بارے میں اپنی صفائی پیش کی ہے لیکن انہوں نے آخر میں اعتراف کیا ہے



کہ "امن وامان کی بحالی کے لئے مجھے ایک غیر جانبدار حاکم کا کردار ادا کرنا پڑا تھا اس نازک موقع پر غیر جانبدار رہنا اور پولیس کو طلبا کا خون بہانے کی اجازت دینا اور پولیس افسران کے خلاف کوئی تادیبی کارروائی نہ کرنا کیا جرم نہیں ہے؟ نورالامین کا کہنا ہے کہ جائے وقوعہ پر ڈی آئی جی پولیس اور ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ موجود تھے اور انہوں نے مختلف اقدامات کئے تھے تو نورالامین پولیس کے اقدامات کی حمایت کیوں نہیں کرتے ہیں؟ طلبا کی مذمت کرتے ہوئے کیوں شرماتے ہیں؟

یہ تو تھیں ماضی کی باتیں اب حال کی باتوں کی جانب آیئے نورالامین اس وقت خود کو متحدہ پاکستان کا سب سے بڑا علمبردار ثابت کرتے ہوئے پاکستان کی سیاسیات میں سب سے زیادہ نمایاں ہونے کی کوشش کر رہے ہیں اور اس مقصد کے لئے انہوں نے دائیں بازو کی سات سیاسی جماعتوں کی مشترکہ قیادت بھی سنبھال لی ہے لیکن اگر ان کے دل کو ٹٹول کر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ بظاہر کتنے ہی محب وطن پاکستانی کیوں نہ بنیں اندر سے وہ ایک کٹر تنگ نظر بنگالی قوم پرست ہیں اس کا ثبوت حال ہی میں ان کے ایک خصوصی انٹرویو سے ملا ہے جو پاکستان آبزرور ڈھاکہ کے نمائندہ خصوصی مقیم لاہور نے لیا ہے اس انٹرویو میں نورالامین نے وہ تمام باتیں کہی ہیں جو شیخ مجیب الرحمٰن کہا کرتے تھے اور انہوں نے مغربی پاکستان سے وہی تمام مطالبات کئے ہیں جو عوامی لیگ کے چھ نکاتی پروگرام میں کئے گئے تھے مثلاً انہوں نے واضح طور پر کہا کہ مشرقی پاکستان سے انتقالِ زر کی روک تھام کے لئے دو ریزرو بینک قائم کئے جائیں۔ ایک مشرقی پاکستان کے لئے اور ایک مغربی پاکستان کے لئے یہی مطالبہ عوامی لیگ نے اپنے چھ نکاتی پروگرام میں کیا تھا۔ لیکن شیخ مجیب الرحمٰن نے ساتھ ہی یہ بھی کہا تھا کہ "اگر دو ریزرو بینک نہ ہو تو بھی ایک ریزرو بینک سے کام چلے گا۔ البتہ مشرقی اور مغربی پاکستان کے الگ الگ حسابات رکھے جائیں لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ نورالامین نے اس کی بھی ضرورت محسوس نہیں کی نورالامین نے مطالبہ کیا کہ دفاع امور خارجہ غیر ملکی اور بین الصوبائی تجارت نظام سکہ اور مرکزی محاصل مرکز کے ہاتھوں میں ہوں اور باقی ماندہ تمام شعبے صوبوں کو منتقل کر دیئے جائیں انہوں نے مطالبہ کیا کہ پاکستان کو جتنے بھی غیر ملکی قرضے اور امداد حاصل ہوں اس کا نصف مشرقی پاکستان کو دے دیا جائے اور نصف میں سے مغربی پاکستان کے صوبوں میں تقسیم کیا جائے یہ تو تھے اقتصادی مطالبات اب نورالامین نے سیاسی مطالبہ پیش کرتے ہوئے کہا ہے کہ پاکستان کا آئندہ وزیر اعظم مشرقی پاکستان سے لینا ہوگا اگر ایسا نہیں کیا گیا تو پاکستان کا اتحاد ختم ہو جائے گا۔ انہوں نے اپنے اس مطالبہ کو مزید زوردار بنانے کے لئے کہا کہ اگر ایسا نہیں کیا گیا تو بنگالی عوام میں زبردست مایوسی اور بد دلی پیدا ہوگی اور وہ یہ سمجھیں گے کہ مغربی پاکستان کے لوگ انہیں ان کے جائز حقوق سے محروم رکھ کر ان کا مزید استحصال کرنا چاہتے ہیں"۔

نورالامین نے جو باتیں کہی ہیں وہ بظاہر درست معلوم ہوتی ہیں لیکن اس مطالبہ کے پیچھے ایک بہت ہی بڑا مقصد پوشیدہ ہے اور وہ مقصد ہے حصول اقتدار، نورالامین کو یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ عوامی لیگ کو کالعدم قرار دینے کے بعد مشرقی پاکستان میں کوئی ایسی سیاسی پارٹی یا بڑی سیاسی شخصیت نہیں رہی ہے جو مستقبل کا وزیر اعظم بنے۔ قیام پاکستان کے بعد سے وزیر اعظم ہمیشہ مشرقی پاکستان سے لیا جاتا رہا ہے اس لئے نورالامین کو امید ہے کہ اگر مشرقی پاکستان سے کوئی وزیر اعظم لیا گیا تو سوائے ان کے یا ان کی پارٹی کے نائب صدر محمود علی کے اور کوئی نہیں ہوگا۔ اس لئے وہ مشرقی پاکستان کے علیحدہ ہو جانے کی دھمکی دے رہے ہیں تاکہ وزارت عظمیٰ بلا شرکت غیرے ان کے حصہ میں آئے۔ نورالامین یا ان کی پارٹی مشرقی پاکستان کے عوام کی کس حد تک نمائندہ ہے اور انہیں مشرقی پاکستان کے عوام کی نمائندگی کا کس حد تک حق حاصل ہے یہ قابل غور بات ہے ان دنوں نورالامین حصول اقتدار کے لئے شیخ مجیب الرحمٰن کے لب و لہجہ میں باتیں کر رہے ہیں صرف اتنا ہی نہیں بلکہ وہ عوامی لیگ کی طرح سیاسی اور اقتصادی مطالبات کر رہے ہیں اس لئے ضروری ہے کہ ان کے ماضی اور حال پر سے پردہ اٹھا کر انہیں عوام کے سامنے صحیح خدوخال میں پیش کیا جائے تاکہ عوام کسی خوش فہمی میں مبتلا ہو کر گمراہ نہ ہوں دائیں بازو کی شکست خوردہ اور عوام کی جانب سے مسترد کی ہوئی سات جماعتوں نے آپس میں صرف اس لئے اتحاد کیا ہے تاکہ عوام کی سچی نمائندہ حکومت قائم نہ ہو سکے اور نہ جمہوریت کی بحالی اور سوشلزم کا قیام ممکن ہو سکے اس لئے متحدہ پارلیمانی پارٹی کس طرح ۲۸ نشستیں حاصل کر کے وزارت قائم کرنے کا خواب دیکھ رہی ہے یہ قابل غور ہے۔

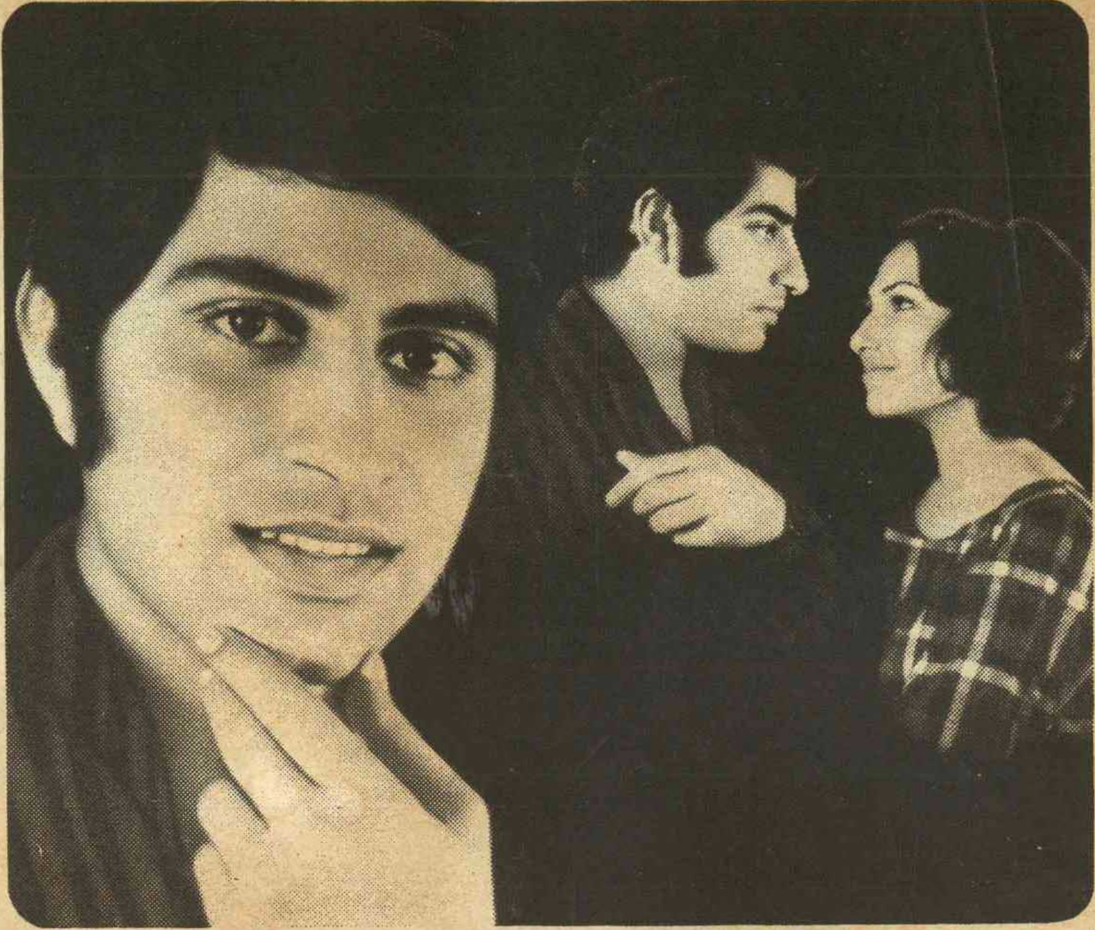
بقیہ : جارج جیکسن

انجیلا ڈیوس سے سیاہ فام عورتوں کے بارے میں وہ یوں مخاطب ہوتا ہے "تم ان سے مختلف ہو۔ میری ماں نے مجھے بزدل بنانے کی بہت کوشش کی۔ مگر اب وہ حالات کے دباؤ کے تحت بدل رہی ہے۔ سیاہ فام عورتیں سفید مردوں کا دل بہلانے کے لیے ... پیدا نہیں ہوئیں اپنے حقوق کی جدوجہد میں انہیں مردوں کے شانہ بشانہ کام کرنا ہوگا۔ انہیں نفرت کرنا۔ بغاوت کرنا سیکھنا ہوگا ...... سی آئی اے ہر اس سیاہ فام کے درپے ہو جاتی ہے جو سیاہ فاموں کو یہ سمجھاتا ہے کہ ان کے مسائل رنگ و نسل کے باعث نہیں بلکہ تاریخی اور معاشی اعتبار سے دنیا بھر کے نوآبادیاتی مظلوم عوام سے وابستہ ہیں، مجھے تمہارے بارے میں بھی خاصی تشویش ہے۔ اگر تمہیں کچھ ہو گیا تو مجھے حیرت نہ ہوگی"۔ اور چند ماہ بعد جوناتھن جیکسن کو اسلحہ سپلائی کرنے کے الزام میں انجیلا کے وارنٹ جاری کر کے اسے "خطرناک ترین اشتہاری مجرم" قرار دے دیا گیا۔

اپنے اندر ابلنے والے نفرت اور بغاوت کے لاوے کا اظہار جیکسن یوں کرتا ہے۔ "ان انہوں نے میرے اندر جس جن کو جگایا ہے۔ وہ اب بوتل میں نہیں جائیگا۔ یہ جن اب ان کا قبر تک پیچھا کریگا۔ خواہ میں مر جاؤں تاہم رسید ہو جاؤں، میں لوٹ آؤں گا۔ اپنا انتقام لینے۔ وہ میرے انتقام کو شکست نہیں دے سکتے۔ کبھی نہیں۔ میں انہیں باؤلے سفید ہاتھی کی طرح حملہ کر کے تہس نہس کر دونگا۔ میں انہیں کبھی معاف نہیں کروں گا۔ کبھی فراموش نہیں کروں گا"۔

جیکسن کا جذبہ اور احساس ایک عظیم انقلابی کا جذبہ و احساس ہے۔ اس کی زندگی کڑی آزمائشوں اور جدوجہد کی زندگی ہے۔ وہ جیل میں مرنے والا ایک قیدی نہیں بلکہ دشمن کے خلاف محاذ پر کام آنیوالا شہید ہے۔ وہ صرف امریکہ کے سیاہ فام انقلابیوں کا ہیرو نہیں۔ دنیا بھر کے مظلوم اور حریت پسند عوام کا ہیرو ہے۔ افریشیا کے ابھرتے سورج کی علامت آزادی اور انقلاب کی چمکدار اور سرخ صبح کا ستارہ۔

ہر روز اچھی شیو



ٹریٹ بلیڈ۔ ہر روز اچھی شیو □ سُتھری شیو □ ہر روز دمکتا چہرہ □
ٹریٹ بلیڈ میں وہ سب خوبیاں موجود ہیں جو ایک اچھے بلیڈ میں
ہونی چاہییں □ دھار جلد پر محسوس ہی نہیں ہوتی □
ٹریٹ بلیڈ ہفتہ میں سات بار □ مہینہ میں تیس دن □



روزانہ شیو

ہر بار ٹریٹ بلیڈ سے

بلیڈ کو پونچھئے نہیں دھو کر خشک کر لیجئے

PRESTIGE TRBC 22/5, 71

Regd No : S - 2772
Weekly "Al - Fatah" Karachi
25,NOV_2 DEC.1971

کریم بک اسٹال
نزد رضا کلینک
لس بیلہ هاؤس - کراچی-5

- Candid and scientific
- Voice of the oppressed millions
- Exposé of palace intrigues rat race and gruesome exploitation

details to be announced later

weekly الفتح

al-fatah

ENGLISH EDITION

starting with the **NEW YEAR**